

تحفۂ توحید

بجواب

انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا کیسا؟

مؤلف

مولانا مدثر بن وزیر مقادم

استاد جامعہ فیض القرآن کالستہ



پیشِ لفظ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم أما بعد

چند دن قبل ایک صاحب کی وساطت سے ایک کتابچہ ہاتھ لگا، جس کا عنوان تھا ''انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا کیسا؟'' اور مؤلف کے طور پر ''مفتی رفیق سعدی افضلی۔۔۔۔۔۔'' کا نام مذکور تھا۔

ا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ مؤلف موصوف نے فقہِ شافعی کی بزبانِ اردو ایک مشہور کتاب ''تحفۃ الباری'' کی ایک عبارت کو بنیاد بنا کر اس پر کلام کیا ہے، یا یوں کہیے کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

اور پھر الفاظ کے ہیر پھیر، آدھی ادھوری عبارتیں نقل کر کے، نیز عبارتوں کا غلط ترجمہ کر کے اور کہیں محض ''جھوٹے دعوے'' کر کے فقہائے شوافع کی طرف یہ بات منسوب کردی کہ ''فقہائے شوافع غیر اللہ سے مانگنے کے قائل رہے ہیں۔''

۲۔ تحفۃ الباری وہ کتاب ہے جس میں ایمان وعقائد سے لے کر فقہ کے تمام ابواب کو مع دلائل و شواہد جمع کیا گیا ہے، ہر ہر مسئلہ فقہِ شافعی کی مطوّل اور بڑی کتابوں سے مأخوذ ہے حوالہ جات مذکور ہیں۔

اردو میں فقہِ شافعی کی اتنی بڑی اور جامع خدمت آج تک نہیں ہوئی ہے، بلاشک و مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ آج بزبانِ اردو فقہِ شافعی میں اس سے بڑی کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔

بلکہ فقہِ شافعی کی عام کتابوں سے ہٹ کر اس میں ایک چیز کا اضافہ بھی ہے جو اس کو دیگر کتابوں سے ممتاز کرتا ہے، اور وہ ہے عقائد اور ایمانیات کا باب۔

عامۂ فقہائے کرام کتاب کی ابتداء ''کتاب الطہارۃ'' سے کرتے ہیں، اور جنایات پر ختم کرتے ہیں، عقائد کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، تاہم بعض متأخرین نے عقائد کو بھی فقہ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے، تحفۃ الباری میں بھی وہی نہج اپنایا گیا ہے، اور عوام کے لئے گویا فقہ کا ایک وسیع ''انسائیکلوپیڈیا'' تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ ہم سوچ سکتے ہیں کہ موصوف کو اگر اپنے عقائد لوگوں کے ذہن میں ٹھونسنے ہی تھے تو اس کے لئے وہ اپنے طور پر کوئی کام کرتے، کوئی ''معرکہ'' سر انجام دیتے، اس طرح کسی کتاب کو بنیاد بنا کر، اس کو ذریعہ بنا کر فقہاء پر تہمتیں گھڑنے کا آخر مقصد کیا ہے؟ کیا عوام کو اس کتاب سے برگشتہ کرنا مقصود ہے، یا شافعیت کی کوئی ''عظیم'' خدمت انجام دینا ہے جس میں اب تک کے فقہائے شوافع ناکام رہے تھے!!

۴۔ سستی شہرت حاصل کرنے کا ایک عام ہتھکنڈہ یہی ہے کہ کسی بھی بڑی شخصیت یا کسی مذہب و مسلک پر اعتراضات اور بیان بازی کی جائے، موصوف نے بھی اپنے طور پر یہ کوشش کر کے جھوٹی اور سستی شہرت حاصل کرنے کی سعئ لاحاصل کی ہے۔

۵۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ موصوف اس سے پہلے بھی ایسے کام انجام دے چکے ہیں ایسا لگتا ہے شاید موصوف کا واحد اور محبوب مشغلہ ہی یہ ہے کہ علاقہ میں انتشار پھیلایا جائے، اور شافعیت کے نام پر فقہائے شوافع کو بدنام کیا جائے۔

آج کے اس دور میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات کیا ہیں؛ اور ان کا تقاضہ کیا ہے سعدی صاحب جیسے افراد بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں، آج جب کہ اسلام پر چاروں طرف

سے حملے ہو رہے ہیں، مسلمانوں پر ہمہ جہت یلغار ہو رہی ہے۔ تو ضرورت دراصل ان کے دفاع کی اور امتِ مسلمہ کے اتحاد واتفاق کو مضبوط کرنے کی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب قادیانیوں کی طرف سے ختمِ نبوت کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے تو اس وقت آپ کی ''رگِ حمیت'' کہیں پھڑکتی نہیں ہے، جب نصرانیوں اور دہریوں کی طرف سے ناموسِ رسالت پر کیچڑ اچھلتا ہے تو آپ کی ''غیرت'' کو جوش نہیں آتا، جب آریہ سماج والوں کی طرف سے اسلام اور اسلامی شعائر پر اعتراضات ہوتے ہیں تو آپ میں سے کسی کی ''شافعیت'' اور ''حنفیت'' بیدار نہیں ہوتی۔

ہاں! جب توحید پرستوں کی طرف سے اللہ جل شانہ کی وحدانیت کی توضیح ودفاع میں کوئی بات سامنے آتی ہے تو البتہ آپ ''اہلِ سنت والجماعت'' کا لبادہ اوڑھ کر شیعوں کے انداز میں ''مردِ میداں'' بن کر سامنے آتے ہیں۔ اور بزرگوں سے عقیدت کے نام پر توحید وسنت کے پرخچے اڑا دیتے ہیں، (وہ ساری آیات واحادیث آپ کی نظروں سے یکسر غائب ہو جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان کرتی ہیں۔)

اب یہ آپ کی بزرگوں سے عقیدت ہے یا توحید سے چڑ؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وإذا ذكر الله وحده اشمأزت قلوب الذين لايؤمنون بالاٰخرة، وإذا ذكر الذين من دونه إذا هم يستبشرون''

ترجمہ: جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے، اور جب ان کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اسی وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات بھی سن لیجئے! آپ حضرات بزرگوں سے عقیدت اوران سے محبت کادم بھرتے ہیں،ان سے متعلق بیانات بھی بہت کرتے ہیں،ان کے ملفوظات بھی پیش کرتے ہیں، لیکن اصل جس توحید کی بناءپران کو یہ مرتبہ ملااس کاکوئی ذکرآپ کے لبوں پرنہیں آتا۔

دیکھئے! شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کیاکہتے ہیں،آپ ''الفتح الربانی'' میں ارشادفرماتے ہیں:

دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہی سے استغاثہ کرو،اسی سے مدد چاہو،وہ تمہاری مددفرمائے گا۔ (الفتح الربانی:۱۲۴)

ایک جگہ ارشادفرماتے ہیں: تم لاالٰہ الااللہ کے کیوں کر قائل ہو حالانکہ تمہارے دل میں معبودِ باطل بھراہواہے؟ ہر وہ چیز جس پر تم اللہ کو چھوڑ کراعتماد کرتے ہو،اوراس پر بھروسہ کرتے ہو وہ تمہارابت ہے۔ (الفتح الربانی:۱۵۹)

نیزاسی کتاب میں ارشادہے:

سلوه ولا تسئلوا غيره، استعينوا به ولا تستعينوا بغيره، توكلوا عليه ولا تتوكلوا على غيره (الفتح الربانی:۱۹۸)

ترجمہ: صرف اسی سے سوال کرواس کے علاوہ کسی سے سوال نہ کرو۔اسی سے مدد طلب کرو، اس کے علاوہ سے مدد طلب نہ کرو۔اسی پر توکل کرو،اس کے علاوہ پر بھروسہ نہ کرو۔

کاش کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے محبت کے یہ دعوےدار ان کے اس کلام کو دیکھ لیں اوراس پر عمل کرلیں تو مسئلہ ہی حل ہو جائے، مگر سعدی صاحب اور ان کے متبعین کو یہ عبارتیں کاہے کو نظر آئیں گی،بقول خودان کے ''ایسی عبارتیں توقسمت والوں کو ہی نظر آتی ہیں،اوربدقسمت لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔''

ہم یہاں دوباتوں کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ سعدی صاحب نے اپنے رسالے میں جو جو دعوے کئے ہیں ان کو ثابت کرنے میں وہ پوری طرح ناکام رہے ہیں، مسئلۂ توسل کی جو انہوں نے وضاحت کی ہے وہ بھی غلط ہے جمیع فقہائے شوافع کی طرف انہوں نے "اللہ کے علاوہ" سے مانگنے کی جو نسبت کی ہے وہ بھی جھوٹی اور بے بنیاد بات ہے۔

سعدی صاحب کے اعتراض کا جواب ہم پر لازم تو نہیں تھا مگر

۲۔ صاحبِ تحفہ کی جس عبارت پر جناب نے اعتراض کیا تھا اس کے متعلق ہم واضح کردیں کہ وہ تین چیزوں کے مجموعہ پر حکم لگایا گیا ہے، یعنی ان تینوں کی مجموعی کیفیت شرک ہے۔

اور سعدی صاحب نے اس سے ہٹ کر ایک دوسرے ہی مسئلہ پر بحث کی ہے، جس کا صاحبِ تحفۃ الباری کی عبارت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔ **واضح رہے کہ سعدی صاحب کے پورے رسالے میں صاحبِ تحفہ کی عبارت کے اصل مفہوم کا کہیں رد بھی نہیں ہے؛ اس معنی کر کے سعدی صاحب کے اعتراض اور ان کے کتابچہ کا جواب دینا ہم پر لازم تو نہیں ہے**، تاہم چونکہ کچھ حضرات کی طرف سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں استفسار ہوا لہٰذا سعدی صاحب کی بعض عبارتوں کا جواب دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔

پوری کتاب میں ہم نے قرآن و حدیث اور فقہِ شافعی کی معتبر ترین کتابوں سے اور معتمد فقہائے شوافع کی تحریرات کی روشنی میں مذکورہ مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ عامۃً سعدی صاحب اور ان جیسی بیمار ذہنیت رکھنے والے افراد کی اتنی جلدی تشفی ہوتی نہیں ہے، اس لئے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج دنیا میں نہیں ہے، تاہم! جو شخص بھی بنظرِ

انصاف ان مضامین کو پڑھے گا توان شاء اللہ اس کی تسلی اور تشفی کا سامان اس کتاب میں موجود ہے۔

سعدی صاحب سے تم ہم بس اتنا کہیں گے کہ جن پاکباز ہستیوں پر آپ نے ''غیر اللہ'' سے مانگنے کی تہمتیں دھری ہیں، وہ اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں، اور کل آپ کو بھی اللہ کے یہاں حاضر ہونا ہے ، اور اپنے الزام اور اتہام کا جواب دینا ہے۔

فانتظروا إني معكم من المنتظرين   وما علينا إلا البلاغ

اللہ رب العزت کا مشکور ہوں کہ اس نے یہ مواد جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور ہماری بہترین رہبری ورہنمائی فرمائی، ساتھ ہی ان بعض مخلص دوستوں کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

ازاحقر مدثر وزیر مقادم

۴ رمضان ۱۴۳۸ھ



تمہید

چند ضروری باتیں اور تحفۃ الباری کی عبارت کی وضاحت

فقہِ شافعی کی بنیاد

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی انوکھی صلاحیتوں سے نوازا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند حوصلہ، عالی دماغ، تقویٰ اور طہارت میں بلند مقام، عقل اور علوم وفنون میں حظِ وافر عطا فرمایا تھا، نبیٔ کریم ﷺ اور حدیثِ نبوی کی اہمیت آپؒ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپؒ نے اپنی فقہ کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی ہے ان میں سب سے عظیم ترین اصول یہ ہے:

"اصل قرآن یا حدیث ہے، ورنہ پھر ان دونوں پر قیاس، اگر آپ ﷺ کی کوئی حدیث بسندِ صحیح موصول ہو، تو اسی کو اختیار کیا جائے گا۔۔۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں: اذا صح الحدیث فھو مذھبی " یعنی جب حدیث سندِ صحیح سے ثابت ہو تو وہی میرا مسلک ہے۔"

چنانچہ آپ نے انہی بنیادوں پر فقہِ شافعی کی اساس قائم کی، اور بعد والے حضرات نے انہی بنیادوں پر فقہ میں فروعات کا اضافہ کیا۔

کسی بھی فقہ کی طرف نسبت میں ضروری ہے کہ مسائل کی تفریع میں ان اصولوں کا خیال رکھا جائے، اگر ان اصولوں سے ہٹ کر کوئی بات یا مسئلہ متفرع ہو تو وہ اس فقہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا، وہ اس فقیہ کا اپنا مسئلہ ہوگا، اس کی وجہ سے اصل فقہ میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوگا، اور نہ وہ مسئلہ اس فقہ کی طرف منسوب ہوگا۔

امام شافعیؒ کے اصول کے بعد امام نوویؒ کی وضاحت بھی ملاحظہ فرمائیں، المجموع میں ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

''ان الإقتداء والعمل إنما یکون بالأحادیث الصحیحة و أقوال العلماء ولا یلتفت إلیٰ محدثات العوام وغیرهم و جهالاتهم''

یعنی اقتداء اور عمل تو صحیح حدیثوں پر ہوگا، علماء کے اقوال پر ہوگا، عوام الناس وغیرہ کی من گھڑت باتوں اور جہالتوں پر عمل نہیں ہوگا۔ (المجموع:۸/ ۲۰۳)

عقیدہ کا اثبات

★ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ مسئلہ مذکورہ عقیدہ کے باب سے متعلق ہے، علماء کرام نے فضائل کے باب میں کسی حد تک ضعیف روایتوں سے استدلال کیا ہے، لیکن احکام میں مضبوط اور صحیح احادیث کو لازم کہا ہے، جب کہ یہ مسئلہ تو عقیدہ کا ہے، اس میں بقول بہت سے علماء کے قطعی دلائل ضروری ہیں یعنی یا تو قرآنی دلیل ہو، یا خبرِ متواتر۔

خبرِ واحد (اگرچہ صحیح ہو تو اس) سے بھی عقیدہ کے ثبوت میں اختلاف ہے، پھر عقیدہ کے اثبات کے لئے ضعیف، کمزور بلکہ من گھڑت روایتوں، قصہ کہانیوں اور خوابوں کا سہارا لینے سے عقیدہ تو ثابت نہیں ہوگا، البتہ مدعی کے '' علمی افلاس'' اور ان کے یہاں دلائل کی ''قحط سالی'' کا پتہ ضرور چلے گا۔

عقیدہ کی بحث

★ مذکورہ مسئلہ موجودہ شکل میں عقیدہ سے متعلق ہے، اور عقیدہ کی بحث کوئی فقہی بحث نہیں ہے بلکہ یہ اصولی بحث ہے، جس کے لئے علماء کرام نے ''علم کلام'' کو مستقل فن کی حیثیت سے وضع کیا ہے۔

عقائد میں فقہی اعتبار سے اختلاف نہیں ہوتا، مسلکی اختلافات یہ فروعی اختلافات ہیں عقائد میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی اگر کوئی شافعی ہے تو شافعی ہونے کی وجہ سے اس کا عقیدہ الگ، اور کوئی حنفی ہے تو حنفی ہونے کی وجہ سے اس کا عقیدہ الگ، یا مالکی، حنبلی ہونے کی وجہ سے اس کا عقیدہ الگ ہو ایسا نہیں ہے، بلکہ کسی بھی مسلک سے متعلق ہو ''اہلِ سنت والجماعت'' میں سب کا عقیدہ یکساں ہوتا ہے، اس میں فقہی اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ اس لئے عامۂ فقہائے کرام اپنی کتابوں کی ابتداء ''کتاب الطہارۃ'' سے کرتے ہیں عقائد کی بحث کو اس میں ذکر نہیں کرتے، بلکہ عقیدہ کے لئے مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ (اگرچہ متأخرین میں سے بعض نے عقیدہ کی بحث کو بھی فقہی کتابوں میں شامل کیا ہے)

چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وقال الشیخ تاج الدین السبکی فی کتابه(معید النعم) ''إن الحنفية و الشافعية و المالكية وفضلاء الحنابلة فی العقائد ید واحدة کلهم علیٰ رأی اهلِ السنة والجماعة''

امام تاج الدین سبکیؒ اپنی کتاب ''معید النعم'' میں فرماتے ہیں کہ: حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور فضلاء حنابلہ یہ سب کے سب عقائد میں ایک ہاتھ کی طرح ہیں، (یعنی ان میں کوئی اختلاف نہیں) سب کے سب اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ پر ہیں۔ (دیکھئے: جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین: ص ۲۵۵)

معلوم ہوا کہ عقیدہ کی تقسیم فقہی بنیادوں پر نہیں ہے، کہ کوئی شافعی ہو تو اس کا عقیدہ الگ، حنفی کا عقیدہ الگ؛ ایسا نہیں ہے، بلکہ جس کا بھی عقیدہ صحیح ہو گا، قرآن وحدیث کے مطابق ہو گا وہ اہلِ سنت والجماعت میں سے ہے، چاہے شافعی ہو یا حنفی، اور جس کا عقیدہ صحیح نہیں ہو گا وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہو گا، چاہے شافعی ہو یا حنفی۔

اس اعتبار سے سعدی صاحب کا توسل اور استغاثہ کے مسئلہ کو "فقہِ شافعی" کے ساتھ خاص کرنا ہی غلط ہے۔

تاہم انہوں نے جو کچھ لکھا ہے "فقہِ شافعی" کی رعایت ہی سے لکھا ہے، لہٰذا ہم نے جواب بھی کتبِ فقہِ شافعی اور علماء شوافع کے حوالوں سے دیا ہے، ورنہ اگر مطلق "اہلِ سنت والجماعت" کی عبارتوں کو دیکھا جائے تو اس سلسلہ میں کافی زیادہ مواد موجود ہے، جو سعدی صاحب کے دعوؤں کو باطل کر دیتا ہے۔

کسی لفظ کا معنی متعین کرنے کا طریقہ

★ یہ بات بھی مدِ نظر رہے کہ فقہاء واصولیین کے نزدیک یہ مسلم اصول ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں حکم لگانے میں جمیع احادیث ودلائل کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا، صرف ایک ہی دلیل کو دیکھ کر اور دوسرے متعارض دلائل کو چھوڑ کر فیصلہ کرنا غلط ہے۔ جیسے:

فرقِ باطلہ میں سے خوارج کبائر کے مرتکب کو کافر مانتے ہیں، اور استدلال کرتے ہیں حدیث کے ان الفاظ سے "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن" کوئی بھی زانی زنا کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے ان کا یہ کہنا غلط ہے، اس لئے کہ انہوں نے دیگر دلائل کو سرے سے چھوڑ دیا ہے۔

دوسری طرف ان کے بالمقابل فرقِ باطلہ میں سے ''مرجئۃ'' ہیں،ان کا کہنا ہے کہ صرف ایمان ہی نجات کے لئے کافی ہے، کسی بھی عمل نماز، روزے کی ضرورت نہیں، یہ حضرات استدلال کرتے ہیں ''من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ''(کہ جو بھی لا الٰہ الا اللہ کہے وہ جنتی ہے۔) جیسی روایتوں سے۔

ظاہر ہے ان کا بھی یہ کہنا غلط ہے اس لئے کہ ان حضرات نے بھی دیگر دلائل کو چھوڑ دیا ہے،اور ان کے درمیان ''اہلِ سنت والجماعت'' ہیں، جن کا تمام دلائل کے پیشِ نظر معتدل کلام یہ ہے کہ آدمی کفر وشرک کے علاوہ کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا،البتہ اس کو توبہ کرنا ضروری ہے،اسی طرح ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی مطلوب اور ضروری ہیں۔

دیکھئے اہلِ سنت والجماعت کا یہ فیصلہ تمام دلائل کے پیش نظر اور مبنی بر حق ہے۔

اسی طرح ایک مثال اور دیکھ لیجئے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا'' یقیناً اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمائے گا،تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آخرت میں کفر وشرک بھی معاف ہو گا،اس لئے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''ان اللہ لا یغفر أن یشرك بہ'' اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) کفر وشرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔

الغرض تمام آیات ودلائل کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہو گا۔

بالکل اسی طرح؛ان فقہاء کے کلام سے ایک عبارت کو لے کر اس کا معنی متعین کرنا اور یہ کہنا کہ یہ حضرات استغاثہ یعنی انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنے کو جائز کہتے ہیں، یہ غلط ہے، بالخصوص اس لئے بھی کہ دوسری جگہ یہ حضرات خود اس کو شرک کہہ رہے ہیں۔

بلکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اگر ان حضرات کی ایسی کوئی عبارت ملتی بھی تو اس کا وہ معنی مراد لیتے جو قرآن وحدیث کے دلائل کے مطابق اور ان حضرات کی دیگر عبارتوں کے موافق ہوتا۔

اس طرح ایک عبارت کو لے کر اور دیگر عبارتوں کو چھوڑ کر کسی لفظ کا ترجمہ متعین کرنا یہ علمی مزاج اور علماء کے اصول کے خلاف ہے۔(کسی بھی علمی کام کرنے والے کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔)

تحفۃ الباری کی عبارت کی وضاحت

تحفۃ الباری کی جس عبارت پر جناب رفیق سعدی صاحب نے اعتراض کیا ہے اولاً وہ عبارت سعدی صاحب کے رسالہ سے نقل کی جاتی ہے:

"مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے۔"

اب اصل کتاب تحفۃ الباری سے یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

" شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم مرتبہ و ہم سر قرار دیا جائے، بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا معاملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ اور جس کو عبودیت بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے: کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، کسی کے نام پر قربانی کرنا یا نذریں ماننا، "مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے۔"

لیجئے! سعدی صاحب نے ابتداء ہی خیانت سے کر دی، اور 'صاحبِ تحفہ' کی عبارت سے آدھی ادھوری عبارت نقل کر کے اشارہ دیدیا کہ " ابتداء تو بری ہے انجام خدا جانے"

ہمیں امید نہیں تھی کہ سعدی صاحب اپنی اس ''خصوصی'' خصلت کا اتنی جلدی اور رسالہ کی ابتداء ہی میں اظہار کر دیں گے، لیکن ؛ کیا ابتداء اور کیا انتہا، یہاں تو سارا معاملہ ہی خیانت کا ہے۔

سعدی صاحب نے اس عبارت میں ایک اور خیانت بلکہ تحریف کر دی ہے، غور کیجئے! صاحبِ تحفہ نے عبارت میں تین چیزوں کو ملا کر تینوں کے مجموعہ پر حکم لگایا ہے، دیکھئے ملاحظہ فرمائیں: ''مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا''

اگر یہ تینوں چیزیں ہیں یعنی خدا کے علاوہ کسی سے اسطرح مدد مانگی جائے تو وہ شرک ہے۔

دیکھئے! ان تینوں چیزوں میں کہیں فل اسٹاپ نہیں ہے۔

سعدی صاحب نے خیانت یہ کر دی ہے کہ تینوں کو الگ کر دیا، اور اس کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے فل اسٹاپ کا اضافہ کر دیا، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ تینوں الگ الگ ہیں، اور تینوں میں ہر ایک پر یہ حکم ہے، یہ سعدی کی علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

قارئین ایک مرتبہ سعدی صاحب کی بیان کردہ عبارت ملاحظہ فرمائیں پھر اصل کتاب کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں، بات واضح ہو جائے گی۔

بہر حال خیانت کے اس فعل سے ابتداء کرنے کے بعد ''صاحبِ تحفۃ الباری علامہ خطیب'' کی طرف یہ بات منسوب کی کہ ''تحفۃ الباری کے مصنف نے اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگنے کو شرک قرار دیا ہے۔''

سعدی کے الفاظ ختم ہوئے ، اب ایک نظر دوبارہ تحفۃ الباری کی اصل اور پوری عبارت پر ڈالئے۔

"شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم مرتبہ وہم سر قرار دیا جائے، بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا معاملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔اور جس کو عبودیت بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے: کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، کسی کے نام پر قربانی کرنا یا نذریں ماننا، "مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے۔"

سعدی صاحب سے سوال:

صاحبِ تحفۃ الباری کی عبارت آپ نے دیکھ لی، اور امید ہے کہ آپ کی طرف سے جو عبارت میں کتر و بیونت ہوئی تھی اور جو فل اسٹاپ بڑھائے گئے تھے، اس کے بغیر اس عبارت کا اصل مطلب کیا ہے وہ بھی آپ جان گئے ہوں گے۔

ایک بار پھر مکمل عبارت پڑھ لیں، بلکہ دوبارہ سہ بارہ پڑھ لیں (ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئًا) اور پھر آپ جواب دیں کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا معاملہ ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کو قدرت والا اور کائنات کے امور میں متصرف سمجھتے ہیں، کیا آپ کسی اور کو بھی (چاہے نبی ہو یا ولی) اس درجہ کی قدرت والا اور تصرف کرنے والا سمجھتے ہیں؟؟؟

یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ہم سعدی صاحب سے چاہتے ہیں۔

آپ اپنی عقائد کی کتابیں کھنگالیں، اہلِ سنت والجماعت کی تصریحات دیکھیں، اور پھر جواب دیں۔

فقہائے شوافع کی عبارت اور ان کی توضیحات دیکھیں پھر جواب دیں۔

یہ صاحبِ تحفہ ابنِ حجر مکیؒ ہیں، یہ صاحبِ نہایہ علامہ رملیؒ ہیں، یہ صاحبِ بغیۃ المسترشدین ہیں، اسی طرح امام سبکیؒ کو پڑھیئے، حافظ ابن حجر عسقلانی کو دیکھئے، امام رازی اور دیگر علماء کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے، پھر جواب دیں۔

ان سب حضرات کی عبارتیں اور توضیحات ان عبارتوں کے آس پاس ہی ہیں جو آپ نے نقل کی ہیں، مگر آپ کو وہ نظر نہیں آئیں، (اور کیسے نظر آتیں؛ آپ کو تو یار لوگوں نے ''شرابِ رضویت'' کے جام پلا پلا کر مدہوش کر دیا ہے) چنانچہ اگر اب بھی نظر نہ آئیں تو ہم نے وہ عبارتیں اور توضیحات نقل کی ہیں وہ دیکھیں، پھر جواب دیں۔

ہاں! ذرا دم لیں! وہ قرآنی آیات واحادیثِ نبویہ صحیحہ بھی دیکھ لیجئے جو ہم نے ذکر کی ہیں، پھر جواب دیں۔

اور اگر پھر بھی آپ یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی کو حاضر وناظر سمجھ کر اور کائنات کے امور میں مؤثر ومتصرف سمجھ کر اس سے مصیبت میں مدد مانگنا جائز ہے، تو اپنے مؤمن ومشرک ہونے کا خود ہی فیصلہ فرمالیں۔

قارئین نے بھی جان لیا ہوگا کہ جس طرح اللہ تعالٰی سے دعا مانگتے ہیں، اور جس طرح اللہ تعالٰی کو قادرِ مطلق مانتے ہیں، اور جس طرح اللہ تعالٰی کو ہر جگہ وہر وقت حاضر وناظر مانتے ہیں، یہی عقیدہ اسی طرح کسی اور کے ساتھ رکھنا یقیناً شرک ہے ۔

''مصیبت اور تنگی میں کسی مدد چاہنا اور کسی کی مدد کرنا'' اس کا مطلب کیا ہے؟

قارئینِ کرام! اس کے دو مطلب ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ " جس سے مدد مانگی جائے اس کو مالک و مختارِ کل، حاضر ناظر اور کائنات میں تصرف کا اختیار رکھنے والا مان کر اس سے مدد مانگی جائے۔" اسی کو دعاء کہتے ہیں، یہی ممنوع ہے اور اسی کو شرک کہا گیا ہے، اور اس کو اصطلاح میں "مافوق الاسباب" مدد کے لئے پکارنا کہتے ہیں۔

۲۔ دوسرا مطلب وہ ہے جس کو عام بول چال میں "مدد کرنا" کہتے ہیں، جیسے: کسی غریب کی مدد کرنا، یا جیسے کسی سے بوجھ اٹھایا نہ جارہا ہو تو وہ مدد کے لئے کسی کو پکارے، اور وہ اس کا بوجھ اٹھا کر سواری پر رکھ دے، یا جیسے باپ بیٹے کو پانی لانے یا کسی کام کے لئے پکارے، یا بوڑھا باپ بیٹے کو پکارے کہ اٹھنے میں میری مدد کرو۔"

تو کہنے کو تو یہ بھی مدد کے لئے پکارنا اور مدد کرنا ہے، لیکن اسے دعاء نہیں کہا جاتا، اور نہ ممنوع ہے، بلکہ مستحسن ہے، شریعت میں ایکدوسرے کی مدد پر ابھارا گیا ہے۔

اب سن لیجئے کہ پہلی صورت یعنی مافوق الاسباب کے طور پر کسی کو پکارنا جو حرام ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

مافوق الاسباب طریق پر امید و نفع اور دفعِ مضرت کے وقت غیر اللہ کو پکارنا اس لئے شرک ہے کہ شرک کے اصولی طور پر تین ستون ہیں:

(ا) یہ کہ پکارنے والے کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جس کو میں پکار رہا ہوں وہ میرے حال سے آگاہ اور میری مصیبت کی اس کو خبر اور علم ہے، یعنی عالم الغیب یا عالم ماکان و مایکون ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو قیامت تک بھی اگر پکارا جائے تو ان کو اس کی خبر نہیں ہوسکتی وھم عن دعائھم غٰفلون ۔(اوران کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی)

(۲) یہ کہ پکارنے والا سمجھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ میری حالت کو دیکھتا ہے ،اور میری آواز کو سنتا ہے۔یعنی حاضر وناظر ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم
ولو سمعوا ما استجابوا لکم ط

(اگر تم ان کو پکارو وہ سنیں نہیں پکار تمہاری، اور اگر سنیں تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر،) بھلا دور سے بجز پروردگار کے اور کون سنتا ہے ،اور پھر کام پورا کر سکتا ہے

(۳) پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ مجھے نفع دینے اور تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ جن کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں نہ زمینوں میں نہ آسمانوں میں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فلا یملکون کشف الضر
عنکم ولا تحویلاً

سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صورت یعنی اللہ کے علاوہ کسی کو مالک و مختارِ کل، حاضر و ناظر اور کائنات میں تصرف کا حقیقی رکھنے والا سمجھ کر پکارنا یقیناً ممنوع ہے، اور شرک کی حقیقت بھی یہی ہے ، اور ''صاحبِ تحفہ'' نے اسی صورت کو (سلف سے نقل کرتے ہوئے) شرک کہا ہے،اس طرح کی مدد مانگنے کو فقہائے شوافع نے کفر وشرک قرار دیا ہے

چنانچہ ابن حجر مکی ہیتمیؒ نے ''اِلاعلام بقواطع اِلاسلام'' میں اس کے کفر ہونے پر حنابلہ کی طرف سے اجماع کا دعویٰ کیا، اور اس پر اپنی رضامندی کا اشارہ دیدیا۔

بلکہ '' الفضل المبین'' میں اس کو صراحتاً '' شرکِ اکبر'' قرار دیا۔

صاحب بغیہ نے اس کو علامہ کردی کے حوالہ سے کفر قرار دیا ہے۔

نیز علامہ رملیؒ نے بھی فتاویٰ رملی میں (کراماتِ اولیاء کے سلسلہ میں) ولی کو مستقل بالذات سمجھنے کو کفر قرار دیا ہے

امام مقریزی شافعیؒ نے بھی اس کو شرک قرار دیا ہے۔

امام ابو شامہ شافعیؒ نے بھی اس کو صراحۃً شرک قرار دیا ہے۔

لہٰذا ''صاحبِ تحفۃ الباری'' کا غیر اللہ سے اس طرح مدد مانگنے کو شرک قرار دینا فقہِ شافعی کے خلاف نہیں بلکہ فقہِ شافعی کے عین مطابق اور فقہائے شوافع سے ثابت شدہ بات ہے۔

اس وضاحت کے بعد ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔

سعدی کے دعوے

صاحبِ تحفہ کے رد میں سعدی صاحب نے اپنے کتابچہ میں (دیگر دعوؤں کے ساتھ) دو دعوے کئے ہیں:

(۱) غیر اللہ سے (یعنی انبیاء، اولیاء، صالحین، علماء حتیٰ کہ عام مؤمنین سے بھی) مانگنا اور ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔

(۲) دوسرا دعویٰ یہ کر دیا کہ معتمد فقہائے شوافع غیر اللہ سے مانگنے کو جائز کہتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

پھر اس جرمِ عظیم کی نسبت جن فقہاء کی طرف صراحۃً کردی ان میں امام نووی، علامہ سبکی، علامہ رملی، ابنِ حجر مکی، امام سیوطی، سخاوی، علامہ قسطلانی، ابن سنی، اور امام بخاری شامل ہیں۔

یہ وہ مظلوم فقہائے شوافع ہیں جو سعدی کے قلم کا یہ ظلم سہہ رہے ہیں، سعدی صاحب کے اس الزام اور اتہام اور ان کی اس جرأتِ بیجا اور ظلم کا جواب دینا اور ان خداترس اور برگزیدہ ہستیوں اور علما کو اس الزام سے بری کرنا، بلکہ خود مالک کائنات کی وحدانیت کا دفاع کرنا ضروری ہے۔ (اگرچہ وہ اس کا محتاج نہیں، وہ تو بے نیاز اور احد صمد ہے۔)

چنانچہ اس رسالہ میں چند باتیں مرحلہ وار بیان کی گئی ہیں۔

پہلی فصل: دعا کا شریعت میں مقام اور یہ کہ دعاء بھی عبادت ہی ہے

دوسری فصل: وہ قرآنی آیات و احادیث جن میں اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

تیسری فصل: کفار بھی شدید مصیبت کے وقت "اللہ" کو پکارتے تھے۔

چوتھی فصل: وہ آیات واحادیث جن میں مصیبت کے وقت صرف "اللہ" کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں فصل: فقہائے شوافع کی ذاتی دعائیں

چھٹی فصل: مسئلہ توسل اور اس کی حقیقت۔

ساتویں فصل: فقہائے شوافع پر لگائے ہوئے الزامات اور ان کا جواب

پہلی فصل

شریعت میں دعا کا مقام، دعا بھی عبادت ہی ہے۔

دعا کیا ہے ؟ اپنی ضروریات اور حاجات کی تکمیل کے لئے ، مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے ، اپنی دینی دنیوی بھلائی کے لئے اللہ تعالیٰ کو حاجت روا سمجھتے ہوئے، اس کو مالک و خالق اور معبود سمجھتے ہوئے اللہ کو مدد کے لئے پکارنا دعا ہے۔

دعا کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں دعا مانگنے کا حکم دیا، قبولیت کا وعدہ فرمایا، اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی فضیلت بیان کی، مانگنے کا حکم دیا۔ سینکڑوں دعائیں خود مانگ کر ہمیں سکھلائیں، ان تمام دعاؤں میں صرف اور صرف اللہ سے سوال کیا، اللہ سے مانگا، اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگنے سے روکا، اس لئے کہ "دعا خود عبادت ہے۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وقال ربکم ادعونی أستجب لکم ط ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین
(پ:۲۴المؤمن: ٦٠)

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری پکار سے وہ عنقریب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا اور پکارنے کو عبادت سے تعبیر کیا ہے، اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الدعاء ھو العبادۃ ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم الایۃ
(ترمذی:۲/ ۱۷۳، ابوداؤد: ۱/ ۲۰۸، ابن ماجہ:۲۸۰، طیالسی: ۱۰۸، ادب المفرد:۱۰۵، متدرک:۱/ ۴۹۱ وقال الحاکم والذھبی صحیح وقال الترمذی: حسن صحیح)

پکارنا عبادت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہی مذکورہ آیت بطورِ استشہاد پڑھی۔امام حاکم اور علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام ترمذی اس کو حسن اور صحیح کہتے ہیں۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ایسا پکارنا عبادت ہے بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے:

لیس شیئ اکرم علی اللہ من الدعاء
(ادب المفرد:۱۰۵،متدرک:۱/ ۴۹۰ قال الحاکم و الذھبی صحیح)

اللہ کے نزدیک پکارنے سے بڑھ کر پیاری اور عزیز چیز اور کوئی نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے:

اشرف العبادۃ الدعاء (ادب المفرد:۱۰۵)

تمام عبادتوں میں اشرف اور اعلیٰ عبادت دعا اور پکارنا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

الدعاء سلاح المؤمن و عماد الدين (مستدرک:۱/ ۴۹۲ قال الحاکم و الذھبی صحیح)

دعا مؤمن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور اس کی جڑ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

افضل العبادة هو الدعاء (مستدرک:۱/ ۴۹۱ قال الحاکم و الذھبی صحیح)

بہترین عبادت دعا ہے۔

ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ہے:

من لا يدعو الله يغضب عليه (مستدرک:۱/ ۴۹۱)

جو شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پکارتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

آپ دیکھ اور پڑھ چکے ہیں کہ دعا (پکارنا) عبادت بھی ہے اور مخ العبادت بھی، اشرف العبادت بھی ہے اور افضل العبادت بھی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا اور پکارنے سے بڑھ کر کوئی اور مقبول اور عزیز عبادت نہیں ہے۔

علماء شوافع کی تصریحات کہ دعا عبادت ہے۔

امام رازی شافعیؒ نے بھی اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ دعا اصل عبادت ہے:

ان المقصود من الدعاء هو اظهار العبودية والذلة والانكسار و الاعتراف بان الكل من الله والرجوع اليه بالكلية (دیکھئے: تفسیرِ کبیر: ۱۰۸/۵ ، شرح الاسماء الحسنیٰ: ص۸۷)

دعاء کا اصل مقصد عبودیت، عاجزی، انکساری کا اظہار اور اس بات کا اعتراف کرنا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اور اسی کی طرف کلی طور پر رجوع ہونا ہے۔

علامہ ابن الاثیر شافعیؒ:

ونبه ابن الاثير إلى ان الدعاء مشتمل على امرين عظيمين: احدهما انه امتثال امر الله تعالىٰ حيث قال (ادعونى استجب لكم) والثانى مافيه من قطع الامل عما سوى الله و تخصيصه وحده بسؤال الحاجات (النہایۃ فی غریب الحدیث: ۴/ ۳۰۵)

ابن الاثیر شافعیؒ نے بھی اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ دعاء دراصل دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک تو یہ کہ دعاء میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "ادعونی استجب لکم" پر عمل ہے، دوسرے یہ کہ: دعاء میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر کسی سے امیدوں کو توڑا جاتا ہے، اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے حاجتوں کو مانگنا پایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ فرماتے ہیں:

ان الدعاء من جملة العبادة لما فيه من الخضوع و الافتقار (فتح الباری)

دعاء بھی عبادت میں سے ہے، اس لئے کہ اس میں انکساری اور محتاجی پائی جاتی ہے۔

امام فخر الدین رازی شافعیؒ فرماتے ہیں:

قال الجمهور الأعظم من العقلاء: الدعاء أعظم مقامات العبادة (شرح الاسماء الحسنیٰ ۸۴-۸۵ ، تفسیرِ کبیر: ۱۰۶/۵-۱۰۷)

اکثر عقلمندوں کا کہنا ہے کہ دعاء عبادت کے مقامات میں اونچا درجہ رکھتی ہے۔

مزید امام رازیؒ فرماتے ہیں:

ثبت ان الدعاء یفید القرب من الله ، فکان الدعاء افضل العبادات

(تفسیرِ کبیر:۵/ ۱۰۷)

یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دعاء اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے ، پس دعاء افضل ترین عبادت ہے۔

امام ابن حبان شافعیؒ فرماتے ہیں:

وقال ابن حبان فی احدی تراجم کتاب الدعاء من صحیحه: ''ذکر البیان بأن دعاء المرء ربه فی الاحوال من العبادة التی یتقرب بها الی الله جل و علا

(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان:۳/ ۱۷۳)

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب الدعاء میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے: اس بات کا بیان کہ بندے کا حالات میں اپنے رب کو پکارنا ان عبادتوں میں سے ہے جن سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

امام نووی شافعیؒ حضور ﷺ کے قول'' اللھم اغفر لی خطیئتی وجھلی'' (اے اللہ میری خطا اور لاعلمی کو معاف فرما) کی وضاحت میں علماء کے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں:

وعلیٰ کل حال فھو صلی الله علیه وسلم مغفور له ما تقدم من ذنبه وما تأخر فدعا بھٰذا و غیره تواضعًا؛ لأن الدعاء عبادة

بہر صورت حضور ﷺ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی تھیں پس آپ کا ان الفاظ کے ذریعہ دعا کرنا بطورِ تواضع کے ہے، اس لئے کہ دعا عبادت ہے۔

امام رازی شافعیؒ کی یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو۔

اعلم ان المقصود من هٰذه الآية الرد على عبدة الاصنام ، وهى مؤ كدة لقوله تعالىٰ قبل ذٰلك (قل انى نهيت ان اعبد الذين تدعون من دون الله) فقال (قل اندعو من دون الله) أى انعبد من دون الله (تفسیر کبیر:۱۳/ ۳۱)

دیکھئے امام رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں ''اندعو'' (پکارنا) کی تفسیر ''انعبد'' (عبادت) سے کی ہے۔

وقال البغوى عند آية سورة ابراهيم (ربنا وتقبل دعاء) أى عملى و عبادتى (معالم التنزیل:۴/ ۳۵۸)

علامہ بغوی شافعیؒ سورہ ابراہیم کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دعا سے عمل و عبادت مراد ہے۔

فقال السمعانى عند قول الرب تعالىٰ حكاية عن اهل الجنة (انا كنا من قبل ندعوه) أى نؤحده و نعبده ، الدعاء هٰهنا بمعنى التوحيد ، وعليه اكثر المفسرين (تفسیرِ سمعانی:۵/ ۲۷۵)

اسی طرح علامہ سمعانی شافعیؒ اللہ تعالیٰ کے قول ''انا کنا من قبل ندعوہ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''ندعوہ'' یعنی نؤحدہ ونعبدہ (اس کی عبادت کرتے تھے) دعا یہاں توحید کے معنی میں ہے، اسی کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔

امام حلیمی شافعیؒ فرماتے ہیں:

ولذٰلك قال الله عز وجل (وقال ربكم ادعونى استجب لكم ان الذين

اسی واسطے اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

يستكبرون عن عبادتی سيدخلون جهنم داخرين) فابان الدعاء عبادة

پس اس آیت میں ''الدعاء'' کو عبادت فرمایا ہے۔

(المنہاج فی شعب الایمان: ۱/ ۵۱۷)

امام حلیمی فرماتے ہیں:

الدعاء عبادة و استكانة

دعا عبادت ہے اور اپنی عاجزی کا اظہار ہے۔

(المنہاج: ۱/ ۵۳۰)

قرآن وحدیث اور علماء شوافع کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ دعا بھی عبادت ہی ہے۔ جس طرح اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں بلکہ شرک ہے، اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی سے دعا مانگنا بھی جائز نہیں شرک ہے۔

دوسری فصل

وہ قرآنی آیات واحادیث جن میں اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرات! قرآنِ کریم کی چند آیات آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں کہ مشرکین ''غیر اللہ'' کو فریادرس اور تکلیف دور کرنے والا سمجھ کر پکارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مشرکین کی ''دعا ید عو'' کے الفاظ کو سامنے رکھ کر تردید فرمائی کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ ضرر کے اور نہ ہی ان کو تمہاری تکلیفوں اور

مصیبتوں کی اطلاع ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور مومنین کو یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے کسی کو نہ پکارو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ

بے شک وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ، وہ ہرگز مکھی نہیں بنا سکیں گے اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ

تو کہہ بھلا دیکھو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ، دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں، یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی (عقلی دلیل اور) علم جو چلا آتا ہو، اگر ہو تم سچے۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ تعالیٰ کے نیچے، ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار قیامت کے دن تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ۝۱۳ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ

اور وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو، اللہ تعالیٰ کے سوا، وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے، اگر تم ان کو پکارو تو سنیں نہیں تمہاری پکار، اور اگر سنیں بھی تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شرک سے اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو جیسا بتلائے خبر رکھنے والا۔ (خدا تعالیٰ)

قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ

آپ کہہ دیجئے، بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو تم اللہ کے سوا، اگر چاہے اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اسکی ڈالی ہوئی، یا اگر وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اس کی مہربانی کو؟ تو کہہ مجھ کو اللہ تعالیٰ ہی بس ہے، اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے۔

قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا لَهُمۡ فِيۡهِمَا مِنۡ شِرۡكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ

آپ کہہ دیجئے پکارو تم ان کو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے خیال کرتے ہو، وہ مالک نہیں ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور زمین میں، اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شراکت ہے، اور نہ ان میں کوئی اس (اللہ تعالیٰ) کا مددگار ہے۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شرک یہ بتلایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ تکوینی امور (تکلیف سے نجات دینے والے اور مہربانی کرنے) میں ایک ذرہ کے مالک نہیں ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری مخلوق کو مشکل کشا جان کر پکارتے ہیں وہ تو ان کی بات کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ان کو اس کی کچھ خبر ہے۔ قیامت تک پکارو، وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اور اگر بالفرض وہ تمہاری تکلیف کو سن بھی لیں تو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور تمہارے اس شرک (پکارنے) کا قیامت کو صاف انکار کریں گے، اور یہ ساری باتیں بتلانے والا وہ ہے جس سے کوئی بات چھپی ڈھکی نہیں۔

اور اسی آخری آیت میں اس قسم کے پکارنے پر شرک کا لفظ بولا گیا ہے۔

ان آیتوں کو بغور پڑھیے، بار بار پڑھیے اگر انسان کے سینے میں دل ہے تو کہیں نہ کہیں اسے یہ آیتیں جھنجھوڑیں گی، اور اس کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ واقعۃً ''غیر اللہ'' کو پکارنا صحیح نہیں ہے۔

تیسری فصل

کفار بھی شدید مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتے تھے۔

یہ بات بھی صحیح ہے، کہ اگرچہ مشرکینِ عرب بعض جزوی اموراور معاملات (اور تکوینی امور) میں خدا تعالیٰ کے بندوں کو عطائی اور غیر مستقل طور پر متصّرف اور سفارشی مانتے تھے۔ لیکن بڑے بڑے کاموں اور انتہائی مصیبتوں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی

کو پکارتے تھے۔ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے سب ان کے دل اور دماغ سے ایسے وقت بالکل نِکل جاتے تھے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ اَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ‌ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۰﴾ بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ وَ تَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۱﴾ (پ:۷، سورہ انعام)	تو کہہ، دیکھو تو اگر آوے تم پر اللہ کا عذاب یا آوے تم پر قیامت، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکاروگے۔ بتاؤ اگر تم سچّے ہو، بلکہ اسی کو پکاروگے، پھر وہ دُور کردے گا اس کو پکاروگے۔ اگر اس کی مرضی ہوئی اور تم بھُول جاؤگے جن کو تم شریک کرتے ہو۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس میں بھی بیان فرمایا ہے کے کفار جب سمندر کی موجوں میں گھر جاتے ہیں۔ تو اس وقت اصل خدا ہی یاد آتا ہے۔ اب وہ یوں کہتے ہیں۔

لئن أنجيتنا من هٰذه لنكونن من الشكرين	اگر تونے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ضرور ہم شکر گزار لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہی مضمون سورہ بنی اسرئیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

واذا مسكم الضر فى البحر ضل من تدعون إلا اياه	یعنی جب سمندر میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو جن (دیوتاؤں) کو تم پکار تے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔ بس صرف اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔
فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۵﴾ (پ۲۰، عنکبوت،۷ع)	پھر جب سوار ہوئے کشتی میں، پکارنے لگے اللہ تعالیٰ کو، خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد، پھر جب بچالایا ان کو زمین کی طرف، اسی وقت لگے شرک کرنے۔

حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل فتح مکہ کے موقع پر اس خوف کے مارے کہ کہیں میں اپنی اسلام دشمنی کی پاداش میں قتل نہ کردیا جاؤں، بھاگ کر سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوگئے۔ جب کشتی بھنور میں موجوں کے تھپیڑوں سے دوچار ہوئی تو ملاّحوں نے کہا:

اخلصوا فان الھتکم لا تغنی عنکم شیئاً ھٰھنا — خالص اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرتے ہوئے اسی کو پکارو، کیونکہ تمہارے دوسرے اِلٰہ اس موقع پر کسی کام نہیں آسکتے۔

حضرت عکرمہؓ نے کہا: اگر سمندر میں وہ کام نہیں آسکتے تو خشکی پر اللہ تعالیٰ کے سوا کون کام آسکتا ہے؟ پھر عہد کیا کہ اے اللہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر تونے مجھے اس مشکل سے نجات دی تو میں حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا، کیونکہ یہی سبق تو ہمیں وہ بتلاتے ہیں۔ جس سے ہم بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی اور انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمان ہوگئے۔

(نسائی: ۲/ ۱۵۲، البدایہ والنھایہ: ۲۹۸/۴، والصارم المسلول: ص۱۰۹)

حضرات! یہ مشرکین کا وہی گروہ تھا جو خشکی پر ''یا ابراھیم أغثنی'' اور ''اعل ھبل'' اور ''یاعزّٰی'' وغیرہ کہا کرتے تھے۔ مگر موجوں کے تھپیڑوں میں وہ سب کچھ فراموش کرکے صرف ذات باری تعالیٰ پر اعتماد کیا کرتے تھے اور صرف اسی کو پکارا کرتے تھے اور ہر باحیا مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے۔

فتح مکہ سے پہلے مکہ میں شدید قحط پڑا تھا، تو حضرت ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، مکہ سے سفر کرکے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور قحط سالی دور ہوئے کیلئے دعا کی درخواست کی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قوم فرعون کا حال بیان فرمایا کہ جب کوئی عذاب ان پر آتا ہے تو فوراً حضرت موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی درخواست کرتے ہیں۔ دیکھے سورہ اعراف آیات (۱۳۴)

حضرت حصینؓ فرماتے ہیں: اسلام لانے سے قبل ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے سوال کیا۔ حصینؓ! میں نے کہا: جی۔ فرمایا: کتنے اِلٰہوں کی تم روزانہ عبادت کرتے ہو؟

میں نے کہا: حضرت! سات کی، ایک آسمان پر ہے اور باقی چھ زمین پر۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

فایّھم تعدّ لرغبك و رھبتك؟ قال: الذی فی السماء

ان میں خوف اور رجا، امید و بیم کے لیے تم کس اِلٰہ کو کام کا سمجھتے ہو؟ حضرت حصینؓ نے کہا وہ تو وہی ہے جو آسمانوں میں ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو کلمے سکھادوں۔

چنانچہ مسلمان ہونے کے بعد وہ دو کلمے انہوں نے سیکھ لیے۔

(رواہ احمد والنسائی باسناد صحیح)

ان آیات واحادیث سے معلوہوا کہ مشرکین اگرچہ بعض حالات میں غیروں کو سفارشی مان کر پکارا کرتے تھے۔ لیکن جب انتہائی مصیبت کا شکار ہوتے اور دریا کی موجوں میں مبتلا ہوتے تھے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور تمام مافوق الاسباب سفارشی بھول جاتے تھے۔ لیکن جب خشکی پر قدم دھرتے تو وہی شرک شروع کر دیتے تھے۔ یعنی غیر اللہ کو متصرف مان کر پُکارنا۔

یہ تو قرآنی مشرک تھے، جو شدید مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتے ہیں، افسوس صدافسوس آج سعدی صاحب اور ان جیسے حضرات مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت غیر اللہ کو پکارا جائے۔

اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ اپنی بات کی نسبت ان مقتدر علماء اور فقہاء کی طرف بھی کردی، جن کے علم وتقدس اور جن کے صحیح العقیدہ ہونے کی گواہی تاریخ دیتی ہے۔

کیاسعدی صاحب ان بڑے بڑے علماء امام نووی، حافظ ابن حجر اور امام بخاری وغیرہ کوان کفار سے بھی بدتر سمجھتے ہیں کہ کفار تو مصیبت میں اللہ کو پکاریں، اور یہ جلیل القدر علماء ''غیر اللہ'' سے مدد مانگنے کا درس دیں! (العیاذ باللہ)

چوتھی فصل

وہ آیات اور احادیث جن میں مصیبت کے دور کرنے کیلئے اور مدد مانگنے کیلئے صرف اللہ کو پکارنے کا حکم ہے۔

اياك نعبدو اياك نستعين (سورہ الفاتحہ)

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

ادعوربكم تضرعا وخفية ط انه لا يحب المعتدين (پارہ۸رکوع نمبر۱۴)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وقال ربكم ادعونى استجب لكم ان الذين يستكبرون عن عبادتى سيدخلون جهنم داخرين (پارہ۲۴رکوع نمبر۱۱)

ترجمہ: تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنوں گا، جو لوگ میری بندگی سے اکڑتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں، آئندہ جھکے ہوئے ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يمسسك بخير فهو على شىء قدير (پارہ۷رکوع نمبر۸)

ترجمہ: اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہیں بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہی ہے۔

وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يردك بخير فلا راد لفضله ط يصيب به من يشاء من عباده ط وهو الغفور الرحيم (پارہ۱۱رکوع نمبر۱۶)

ترجمہ: اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچادئے تو اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اسے دور کردے اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرنے تو کوئی نہیں جو اسکے فضل کا رخ پھیر دے وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پہنچادیتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

استعینوا باللہ واصبروا

(پارہ۹رکوع نمبر۵)

ترجمہ: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو

قل ارءیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدا الی یوم القیٰمہ من الہ غیراللہ یا تیکم بضیآءؕ افلاتسمعون

(پارہ۲۰رکوع۱۰)

ترجمہ: (ائے پیغمبر ان سے) کہو، ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر رات کو ہمیشہ کیلئے قیامت تک مسلط رکھے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کرآئے ؟ بھلا کیا تم سنتے ہو؟

قل ارءیتم ان اصبح ماء کم غورا فمن یاتیکم بماءمعین (پارہ ۲۹ رکوع ۲)

ترجمہ: اوران سے پوچھئے کہ اگر تمہارا پانی (کنوں یا چشموں کا) نیچے اتر جائے، تو کون ہے جو تمہارے لئے چشمے جاری کرے گا؟

امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالہ مع اللہ قلیلاماتذکرون

(پارہ۲۰رکوع نمبر۱)

ترجمہ: بھلاوہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرارا سے پکارتا ہے تو وہ اس دعا کو قبول کرتا ہے، اور تکلیف دور کردیتا ہے اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ؟ نہیں بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

عن ابن عباس، رضی اللہ عنهما، کنت خلف النبی، صلی اللہ علیه و سلم، یومافقال: یاغلام انی اعلمك کلمات: احفظ اللہ یحفظك، احفظ اللہ تجدہ تجاهك، اذا سألت فاسأل

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ائے لڑکے ! تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ،

الله ، واذا استعنت فاستعن بالله واعلم: ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشىء ، لم ينفعوك الا بشىء قد كتبه الله لك

(رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح)

اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر، اور یقین رکھ کہ ساری جماعت اگر تجھے کوئی نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیری لیے لکھ دیا ہے۔(ترمذی)

''اللہ سے مانگ'' یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگ اس لیے کہ عطیّات کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ اور عطاء و بخشش کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر نعمت یا نقمت، خواہ دُنیا کی ہو یا آخرت کی، جو بندے کو پہنچتی ہے یا اس سے دفع ہوتی ہے وہ صرف اسی کی رحمت سے ملتی ہے، کیونکہ وہ جوادِ مطلق ہے۔ اور وہ ایسا غنی ہے کہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس لیے امید صرف اسی کی رحمت سے ہونی چاہیے۔ بڑی بڑی مہمات میں التجا اسی کی بارگاہ میں ہونی چاہیے اور تمام امور میں اعتماد اسی کی ذات پر ہونا چاہیے۔ اس کے سوا کسی سے نہ مانگے کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہ دینے پر قادر ہے نہ روکنے پر، مصیبت ٹالنے پر، نہ نفع پہنچانے پر۔ کیونکہ اس کے ماسوا خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، اور نہ وہ موت وحیات کی قدرت رکھتے ہیں۔

قبیلۂ بنو الھجیم سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی فرماتے ہیں:

''قلت يا رسول الله إِلَامَ تَدْعُو؟ قَالَ: "أَدْعُو إِلَى الله وَحْده، الَّذِي إِنْ مَسَّكَ ضُرٌّ فَدَعَوْته، كَشَفَ عَنْكَ، وَالَّذِي إِنْ ضَلَلْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ دَعَوْتهُ، رَدَّ عَلَيْكَ، وَالَّذِي إِنْ

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کس کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں؟ فرمایا: میں اس اللہ وحدہ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں کہ جب تم کو کوئی مصیبت پیش آئے تو تم اس کو پکارتے ہو، اور وہ تمہاری مصیبت دور کرتا ہے، جب تم کسی چٹیل میدان، صحراء میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے، تو تم اس کو

أَصَابَتْكَ سَنَةٌ فَدَعَوْتهُ، أَنْبَتَ عَلَيْكَ ''

پکارتے ہو، وہ تمہاری سواری لوٹاتا ہے، اور اگر تم پر قحط سالی آتی ہو، اور تم اس کو پکارتے ہو تو وہ تمہارے لئے (بارش برسا کر زمین سے) غلہ اگاتا ہے۔

حضرت پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر جیلانیؒ الفتح الربانی کی مجلس ۶۱ میں فرماتے ہیں:

ان الخلق عجز عدم، لا هلك بايديهم ولا ملك، لا غنیٰ بايديهم ولا فقر، ولاضر بايديهم ولا نفع، ولا ملك عندهم الا لله عزوجل لا قادر غيره، ولا معطی ولا مانع ولا ضار ولا نافع غيره، ولا مميت غيره

ترجمہ: بے شک مخلوق عاجز اور عدم محض ہے، نہ ہلاکت ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ ملک، نہ مالداری ان کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ نفع، نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے پاس کوئی ملک ہے اور نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے، نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے۔ نہ روکنے والا، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ نفع دے سکتا ہے، نہ اس کے سوا کوئی زندگی دینے والا ہے نہ موت۔

یہی عقیدہ تمام اولیاء اللہ کا اور تمام اکابر اہل سنّت کا ہے۔

پانچویں فصل

فقہائے شوافع کی دعائیں

اس فصل میں بعض فقہائے شوافع کی ذاتی دعاؤں کا جائزہ لیا گیا ہے، کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔انسان کا علم اس کی کتابیں یہ اس کا اصل اخروی سرمایہ ہیں، لہٰذا ان کی قبولیت کے لئے انسان جس قدر عاجزی کا اظہار کر سکتا ہے ظاہر ہے، چنانچہ ایسے وقت کی دعائیں انتہائی عاجزی و تواضع کا مظہر ہوتی ہیں۔اس کے باوجود ان میں کہیں بھی اللہ کے علاوہ سے مانگنے تذکرہ نظر نہیں آتا۔

حضرت امام شافعیؒ **کتاب الام** کی ابتداء اپنے ان فصیح دعائیہ اور حمدیہ الفاظ سے کرتے ہیں:

الحمدلله الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربھم یعدلون والحمدلله الذی لایؤدی شکر نعمة من نعمة الا بنعمه منه ، توجب علی مؤدی ماضی نعمه بأدائها نعمة حادثة یجب علیه شکره بها ، ولا یبلغ الواصفون کنه عظمته الذی هو کما وصف نفسه وفوق ما یصفه به خلقه، احمده حمداً کثیراً کما ینبغی لکرم وجهه و عز جلاله ، وأستعینه استعانة من لا حول له ولا قوة الا به وأستهدیه بهداه

الذی لا یضل من انعم به علیه ، وأستغفره لما ازلفت وأخرت ؛ استغفار من یقر بعبودیته ، ویعلم أنه لا یغفر ذنبه ، ولا ینجیه منه الا هو

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر بھی یہ کافر لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کا شکر ادا کرنا مزید ایک نعمت ہے، پچھلی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اس نئی نعمت (یعنی شکر کی توفیق) کا مزید شکر ادا کرے۔ تعریف کرنے والے اس کی عظمت کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، وہ مخلوق کی توصیف سے بالاتر ہے۔ اور ایسا ہے جیسے کہ خود اس نے اپنی صفات بیان کی ہیں۔

میں اللہ کی اس کی عظمت و جلال کے لائق حمد کثیر بیان کرتا ہوں، اور اس ذاتِ عالی سے مدد طلب کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں، اور اس سے وہ ہدایت مانگتا ہوں کہ جس پر اس ہدایت کا انعام ہو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا، اور اس سے اپنی اگلی پچھلی گناہوں کی معافی چاہتا ہوں، اس شخص کی طرح جو اس کی بندگی کا اقرار کرتا ہو، اور جانتا ہو کہ اس کے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا، اور اس کے سوا کوئی گناہوں (کے عذاب) سے نجات نہیں دے سکتا۔

المجموع کی عبارت

واستمدادی فی کل ذٰلك وغیره اللطف والمعونة من الله الکریم الرؤوف الرحیم ، وعلیه اعتمادی ، والیه

تفو یضی و استنادی ، اسأله سلوك سبيل الرشاد ، العصمة من احوال أهل الزيغ و العناد ، و الدوام علىٰ جميع أنواع الخير في ازدياد ، و التوفيق في الأقوال و الافعال للصواب ، و الجري علىٰ آثار ذوى البصائر و لألباب ، و أن يفعل ذٰلك بو الدينا و مشائخنا و جميع من نحبه و يحبنا ، و سائر المسلمين ، إنه الواسع الوهاب ، و ما توفيقى الا بالله عليه توكلت و اليه متاب ، حسبنا الله و نعم الوكيل ، و لا حول و لا قوة الا بالله

ترجمہ: کریم ور حیم اور مہربان اللہ تعالیٰ کا لطف و عنایت میرا اصل سہارا ہے، اسی پر اعتماد کرتا ہوں، اپنے معاملات اسی کے حوالے کرتا ہوں، اسی کا سہارا لیتا ہوں، اسی سے راہِ راست پر چلنے اور فرقِ باطلہ کے احوال سے بچنے کا سوال کرتا ہوں، اور اس بات کا کہ جمیع انواعِ خیر پر مداومت عطا فرما کر مزید کی توفیق بخشے اور اقوال وافعال میں درستگی کی اور اہلِ بصیرت عقلمندوں (یعنی سلفِ صالحین) کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ ساری دعائیں میرے والدین، مشائخ، محبوبین اور محبین کے حق میں قبول فرمائے، اس کے خزانے بڑے وسیع اور وہ بڑا عطا کرنے والا ہے، میری توفیق عطاء کی کی طرف سے ہے، اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہ ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔

روضة الطالبين کی ابتداء ان دعاؤں سے کی ہے۔

واستمدادی والمعونة والهداية والتوفيق والصيانة فی جميع أموری من ربّ الأرضين والسموات ، أسأله التوفيق لحسن النيات ، والإعانة علیٰ جميع أنواع الطاعات الطاعات ، وتيسيرها والهداية لها دائماً فی ازدياد حتی الممات - وأن يفعل ذلك بوالدیّ و مشائخی و أقربائی و إخوانی و سائر من أحبه و يحبنی فيه و جميع المسلمين و المسلمات ، و أن يجود علينا برضاه و محبته ودوام طاعته و غير ذلك من وجوه المسرات و أن لا ينزع من ما وهبه لنا ومنّ به علينا من الموهوبات ، و أن ينفعنا أجمعين ، و كلّ من يقرأ هٰذا الكتاب به ، وأن يجزل لنا العطيات ، و أن يطهر قلوبنا و جوارحنا من جميع المخالفات ، و أن يرزقنا التفويض إليه والاعتماد عليه ، والإعراض عما سواه فی جميع اللحظات

ترجمہ: معونت، ہدایت، توفیق، حفاظت تمام امور میں میں زمین وآسمان کے رب ہی سے مدد چاہتا ہوں، اسی سے حسنِ نیت کا اور تمام قسم کی طاعتوں پر اعانت کا اور مرتے دم تک ہدایت اور اطاعتوں کی آسانی کا سوال کرتا ہوں، اور یہ کہ میرے والدین، مشائخ، رشتہ دار، مسلم بھائیوں اور جن سے میں محبت کرتا ہوں اور جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور تمام مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ فرمائے۔اور اپنی رضامندی، اپنی محبت، دوام اطاعت اور دیگر

خوش کن معاملات عطا فرمائے ، اور جو نعمتیں اور انعامات فرمائے ان کے چھیننے سے بچائے ، اور ہم کو اور اس کتاب کے ہر قاری کو نفع پہنچائے ، اپنی عطایا کا وافر حصہ عطا فرمائے ، ہمارے اعضاء وجوارح اور دلوں کو مخالفت سے بچائے ، اور ہمیں یہ سعادت عطا فرمائے کہ ہم معاملات اسی کے حوالے کریں، اسی پر اعتماد کریں اور ہر وقت اس کے علاوہ ہر کسی سے اعراض کریں۔

الأذكار

والله الكريم أسألُ التوفيق والإنابة والإعانة والهداية والصيانة، وتيسير ما أقصده من الخيرات، والدوام على أنواع المكرمات، والجمع بيني وبين أحبابي في دار كرامته وسائر وجوه المسرّات. وحسبي الله ونِعم الوكيل، ولا حولَ ولا قوّة إلا بالله العزيز الحكيم ما شَاءَ اللّٰهُ لا قُوّةَ إِلاَّ باللّٰهِ، توكلتُ على الله، اعتصمتُ بالله، استعنتُ بالله، وفوَّضت أمري إلى الله، واستودعت ديني ونفسي ووالديّ وإخواني وأحبائي وسائر من أحسن إليّ وجميع المسلمين، وجميعَ ما أنعمَ به عليّ وعليهم من أمور الآخرة والدنيا، فإنه سبحانه إذا استُودع شيئا حفظه ونعم الحفيظ.

میں کرم کرنے والے اللہ ہی سے سوال کرتا ہوں، توفیق، رجوع، اعانت، ہدایت اور حفاظت کا اور اپنے مقصود کی آسانی کا اور تمام اکرامات کے دوام کا، اور اس بات

کا کہ وہ مجھے اور میرے احباب کو جنت میں جمع فرمائے، اور ہر قسم کی خوشیاں عطا فرمائے، اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، نہیں ہے کوئی طاقت اور نہیں ہے کوئی قوت سوائے اللہ کے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس کے سوا کسی کی قوت قوت نہیں ہے، میں نے اللہ ہی پر توکل کیا، اسی کا سہارا لیا، اسی سے مدد طلب کی اور اپنا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ کیا۔ اور میں اپنے آپ کو اپنے دین کو اپنے والدین، بھائیوں، احباب اور اپنے محسنین اور تمام مؤمنین کو اور دینی و دنیوی امور میں مجھ پر اور ان پر ہونے والے انعامات کو اسی کی حفاظت میں دیتا ہوں اس لئے کہ جب کوئی شئی اس کی حفاظت میں دی جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے، اور وہ بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔

الأذكار کی انتہا ان دعائیہ کلمات کے ساتھ ہو رہی ہے

والله المحمود على ذلك و غيره من نعمه التى لا تُحصى، وله المنة أن هدانى لذلك، و وفقنى لجمعه و يسره علىّ، و اعاننى عليه و من علىّ باتمامه، فله الحمد والامتنان و الفضل والطول والشكران، و أنا راج من فضل الله تعالىٰ دعوة اخ صالح انتفع بها تقربنى إلى الله الكريم، وانتفاع مسلم راغب فى الخير ببعض ما فيه أكون مساعدا له على العمل بمرضاة ربنا، و أستودع الله الكريم اللطيف الرحيم منى و من والدىّ و جميع احبابنا و إخواننا و من أحسن الينا و سائر المسلمين: ادياننا و أماناتنا، و خواتيم أعمالنا، وجميع ما انعم الله تعالىٰ به علينا، و أسأله سبحانه لنا

اجمعين ، سلوك سبيل الرشاد والعصمة من أحوال أهل الزيغ والعناد ، والدوام على ذلك و غيره من الخير فى ازدياد وأتضرع إليه سبحانه أن يرزقنا التوفيق فى الأقوال والأفعال للصواب ، والجرى على آثار ذوى البصائر والألباب ، إنه الكريم الواسع الوهاب ، وما توفيقى إلا بالله عليه توكلت وإليه متاب ، حسبنا الله ونعم الوكيل ، ولا حول ولا قوة إلا بالله العزيز الحكيم

الاذکار کی عبارت طویل ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا، لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس میں اور امام نوویؒ کی اوپر بیان کردہ دعاؤں میں کہیں بھی کسی بھی جگہ ''غیر اللہ'' سے مانگنے کا تک شائبہ نہیں ہے، یہ وہی امام نوویؒ ہیں جن کی طرف سعدی صاحب نے بڑے دھڑلے سے یہ نسبت کردی کہ آپ غیر اللہ سے مدد مانگنے کے قائل ہیں۔

ارشاد الفقیه

وبالله استعين وعليه أتوكل ، وهو حسبى ، ونعم الوكيل ، واياه أسأل الله أن ينفع به ، إنه قريب مجيب

اللہ ہی سے میں مدد مانگتا ہوں، اسی پر توکل کرتا ہوں، وہ میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے ، اور اسی سے میں سوال کرتا ہوں کہ اس کتاب کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچائے، یقیناً وہ قریب و مجیب ہے۔

علامہ خطیب شربینیؒ نے الاقناع کی ابتداء ان دعاؤں سے کی ہے۔

الاقناع

وسميته ب(الاقناع فى حل ألفاظ أبى شجاع) أعانني الله تعالىٰ على إكماله ، وجعله خالصا لوجهه الكريم ، وإفضاله فلا ملجأ منه إلا إليه ، ولا إعتماد إلا إليه ، وهو حسبى ونعم الوكيل ، أسأله الستر الجميل

اس کتاب کا نام میں نے ''اِلاقناع'' رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تکمیل میں میری مدد فرمائے ،اور اس کو اپنی ذاتِ عالی کے لیے خالص کردے ،اس کے قہر وعذاب سے کوئی جائے پناہ نہیں سوائے اسی کے دامن کے ،اور صرف اسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے،اور وہ میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

الاقناع کی اختتامی عبارت

وأنا أسأل الله تعالىٰ أن يجعله لوجهه خالصًا ، وأن ينفعني به حين يكون الظل فى الاخرة قالصًا وأن يصيب عليه قبول القبول ۔۔۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو خالص اپنی رضا کا ذریعہ بنائے ،اور قیامت کے دن جب کوئی سایہ نہ ہوگا اس کے ذریعہ مجھ کو فائدہ پہنچائے ،اور اس کتاب کو قبولِ حسن عطا فرمائے۔۔۔

فتح المعين

وأنا أسأل الله الكريم المنان أن يعم الإنتفاع به للخاصة والعامة من الإخوان وأن يسكنني به الفردوس في دار الأمان إنه أكرم كريم وأرحم رحيم

اللہ کریم منان سے سوال کرتاہوں کہ وہ اس کتاب کے نفع کو عوام وخواص کے لئے عام فرمائے اور اس کے بدلے مجھے جنت میں فردوسِ اعلیٰ تک پہنچائے، یقیناً وہ سب سے بڑا کریم اور سب سے بڑا رحیم ہے۔

امام سیوطیؒ کے دعائیہ الفاظ دیکھئے

الإتقان فی علوم القرآن کا اختتام ان الفاظ پر ہوا ہے:

وَأَنَا أَضْرَعُ إِلَى اللّٰهِ جَلَّ جَلَالُهُ وَعَزَّ سُلْطَانُهُ كَمَا مَنَّ بِإِتْمَامِ هٰذا الْكِتَابِ أَنْ يُتِمَّ النِّعْمَةَ بِقَبُولِهِ وَأَنْ يَجْعَلَنَا مِنَ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ مِنْ أتباع رسوله وألا يخيبَ أَمَلَنَا فَهُوَ الْجَوَادُ الَّذِي لَا يخيبَ مَنْ أَمَّلَهُ وَلَا يَخْذِلُ مَنِ انْقَطَعَ عَمَّنْ سِوَاه وأمر له وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وغفل عن ذكره الغافلون.

میں اللہ عزوجل کی بارگاہِ عالی میں التجا کرتاہوں کہ جس طرح اس نے اس کتاب کی تکمیل کی نعمت فرمائی اس طرح اس کی قبولیت کی نعمت سے مشرف فرمائے، اور ہمیں سابقین اولین میں اور رسول کے متبعین میں شامل فرمائے، اور ہماری امیدوں میں ہم کو ناکام نہ فرمائے، وہ ایسا سخی ہے کہ جو اس سے امید رکھے وہ ناکام

نہیں ہوا، اور جو اس کے علاوہ سے کٹ کر اسی کا ہو رہے وہ کبھی رسوا نہیں ہوتا، اور درود و سلام ہو اس نبی پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔۔۔

الدرالمنثور کی ابتداء میں یہ دعائیہ الفاظ ہیں:

و الله أسأل أن يضاعف لمؤلف الأجود، و يعصمه من الخطأ و الزور، بمنه و كرمه إنه البر الغفور

اللہ ہی سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کے مؤلف کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے، محض اپنے فضل و کرم سے خطا اور گناہ سے اس کی حفاظت فرمائے، یقیناً وہی محسن اور مغفرت کرنے والا ہے۔

ابن حجر مکی تحفہ کے اخیر میں یوں دعا کر رہے ہیں:

أَسْأَلُك اللّهُمَّ بِجَلَالِ وَجْهِك وَبَاهِرِ قُدْرَتِك وَوَاسِعِ جُودِك وَ كَرْمِك أَنْ تَنْفَعَ بِهَذَا الشَّرْحِ الْمُسْلِمِينَ مَنْفَعَةً عَامّةً وَأَنْ تَمُنَّ عَلَيَّ بِالْإِخْلَاصِ فِيه لِيَكُونَ ذَخيرَة لِي إذَا جَاءَتْ الطَّامَّةُ، وَأَنْ لَا تُعَاقِبَنِي فِيه، وَلَا فِي غَيرِهِ مِنْ سَائِرِ آثَارِى بِقَبِيحِ مَا جَنيْت مِنْ الذُّنُوبِ وَعَظيمِ مَا اقْتَرَفْت مِنْ الْعيُوبِ إنَّك أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ وَأَكْرَمُ الْأَكْرَمِينَ، دَعْوَاهُمْ فيهَا سُبْحَانَك اللّهمَّ وَتَحيَّتهُمْ فيهَا سَلَامٌ وَآخَرُ دَعْوَاهُمْ أَنَّ الْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرتا ہوں، اسکی ذاتِ عالی، اور اس کی قدرتِ کاملہ اور اس کے وسیع فضل و کرم کے طفیل، کہ وہ اس شرح سے مسلمانوں کو نفعِ تام و عام عطا

فرمائے، مجھے اخلاص عطا فرما کر مجھ پر احسان فرمائے، تاکہ وہ میرے لئے قیامت
کے دن ذخیرۂ آخرت بنے، اور وہ کئے ہوئے گناہوں اور مجھ سے سرزد ہونے
والے عیوب پر میری دنیا و آخرت میں گرفت نہ فرمائے یقیناً تو ارحم الراحمین اور
اکرم الاکرمین ہے۔

یہ ہم نے فقہائے شوافع کی کتابوں سے ان کی ذاتی دعائیں پیش کی ہیں، ان سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ان حضرات کی مخصوص دعائیں کس طرح اور کس درجہ عاجزی، انکساری اور تواضع کا مظہر ہوتی تھیں اور ان تمام دعاؤں میں وہ صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگتے تھے، اسی کو پکارتے تھے، اسی کے فضل و کرم کے طالب تھے۔

چھٹی فصل

مسئلہ توسّل اور دعا

یہ ایک اہم نزاعی مسئلہ ہے کہ دعا میں توسّل جائز ہے یا نہیں۔

دراصل توسّل کی کئی شکلیں ہیں، سب کا حکم یکساں نہیں، بعض صورتیں بالاتفاق جائز اور بعض مختلف فیہ ہیں۔

توسّل کی پہلی شکل: توسّل بالأعمال:

یعنی اپنے اعمال صالحہ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔

توسّل کی یہ قسم بالاتفاق جائز اور مشروع ہے، اس کا ثبوت روایت میں بھی ملتا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ''حدیث الغار'' مشہور ہے۔

امام نوویؒ نے کتاب الأذکار میں باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان یہ ہے"**باب دعاء الانسان وتوسّله بصالح عمله إلى الله تعالىٰ** "

پھر اس باب میں حدیث غار کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب میں سے قاضی حسین وغیرہ حضرات نے ''صلاۃ الاستسقاء'' کے باب میں بیان کیا ہے کہ ''جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ اپنے عمل صالح کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اور اس کیلئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اگرچہ اس پر بھی کچھ لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسمیں ''ترک رضا بر قضا'' ہے، لیکن حضور ﷺ نے اس حدیث کو بطور مدح کے ذکر کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ عمل (توسّل بالعمل) صحیح ہے۔اھ

نوٹ: امام نوویؒ نے یہاں توسّل کی کسی اور قسم کا ذکر نہیں کیا ہے۔

توسّل کی دوسری قسم: توسّل بالأشخاص:

یعنی آپ ﷺ، انبیاء کرام، صحابہ کرام اور دیگر اولیاء کے طفیل اور وسیلہ سے دعا مانگنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ: ائے اللہ! اپنے ان نیک بندوں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: کسی زندہ شخصیت کے وسیلہ سے دعا کرنا تو جائز ہے جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا مانگی تھی، مگر جو حضرات دنیا سے تشریف لیجا چکے ہیں ان کے طفیل دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔

تاہم فقہائے شوافع میں سے بہت سے حضرات اس توسّل کے قائل ہیں، کیوں کہ توسّل میں دعا بزرگوں سے نہیں کی جاتی، بلکہ براہِ راست خدا تعالیٰ سے کی جاتی ہے، بس

جب کسی ایسے مقبول بندے کے توسّل سے دعا کرنا جائز ہے جو اس دنیا میں موجود ہو تو ان مقبولانِ الٰہی کے توسّل سے دعا کرنا بھی صحیح ہو گا جو اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ نیز جب اپنے نیک عمل کے توسّل سے دعا کرنا جائز ہے تو کسی مقبول بارگاہ خداوند کے توسّل سے بھی دعا کرنا صحیح ہے، کیونکہ اسکی حقیقت دراصل یہ دعا کرنا ہے کہ " یا اللہ میرا تو کوئی عمل ایسا نہیں جسکو میں آپکی بارگاہِ عالی میں پیش کر کے اسکے وسیلے سے دعا کروں، البتہ فلاں بندہ آپ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور مجھے اس سے محبت وعقیدت کا تعلق ہے۔ پس اےُ اللہ! آپ اس تعلق کی لاج رکھتے ہوئے، جو مجھے آپ کے نیک بندوں سے ہے۔ میری یہ درخواست قبول فرمالیجئے تو دراصل یہ اپنے اس تعلق کے ذریعہ توسّل ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندوں سے ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں بھی یہ عقیدہ نہ ہو کہ توسّل کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔ نیز یہ عقیدہ بھی نہ رکھے کہ توسّل کے ساتھ کی گئی دعا قبول کرنا اللہ تعالیٰ لازم ہے۔ بلکہ اس کریم کی طرف سے جو کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ محض فضل واحسان ہے، ورنہ مخلوق کا اپنا استحقاق کچھ بھی نہیں۔

توسّل کی یہی وہ قسم ہے جس کا تذکرہ بہت سے فقہائے شوافع نے کیا ہے۔ علامہ رملی، ابن حجر مکی، صاحب بغیہ، صاحب انوار اور امام سبکی نے جس توسّل کا تذکرہ فرمایا ہے وہ درحقیقت یہی توسّل ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں، خود ان حضرات کی عبارتوں سے یہ بات واضح ہے۔ ان میں سے بھی علامہ عزالدین ابن عبدالسلام شافعیؒ تو اس توسل کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک محدود رکھتے ہیں، اور دیگر حضرات (اولیاء وغیرہ) کے سلسلہ میں اس توسل کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔

فقہائے شوافع کی عبارتوں سے یہ بات نکالنا اور اس کا ترجمہ یہ کرنا کہ یہ سب حضرات دراصل انبیاء، اولیاءاور علماء سے مدد مانگنے اور دعا کے قائل ہیں، یہ ان پاکباز ہستیوں پر سراسر الزام اور صریح بہتان ہے۔امام نوویؒ کی عبارت میں تو صرف توسّل بالعمل ہی کا ذکر ملتا ہے، یا پھر یہ کہ حضورﷺ کی قبر اطہر پر حاضری کے وقت آپ سے وسیلہ چاہے اور آپ سے سفارش کی درخواست کرے۔

اور جو باتیں آپ کی طرف غلط طریقہ پر منسوب کی گئیں ان کا ذکر ہم ان شاءاللہ آگے کریں گے۔

بہر حال توسّل کی یہ وہ قسم ہے جس کے بہت سے شوافع قائل ہیں۔واللہ اعلم

اس کے باوجود احتیاط اس میں ہے کہ اس طرح دعا کرے کہ :ان صالحین سے جو مجھ کو محبت ہے اس محبت کے طفیل میری دعا قبول فرما،اس لئے کہ انبیاء، صلحاء اور علماء سے محبت بذات خود ایک عمل ہے اور عمل کے توسّل سے دعا مانگنا بالاتفاق جائز ہے۔

وسیلہ کی ایک اور صورت اور اس کا حکم:

بعض لوگوں نے وسیلہ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ چونکہ ہماری رسائی خدائے تعالٰی تک نہیں ہوسکتی،اس لئے ہمیں جو درخواست کرنی ہو،ان اللہ کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم گناہگار ہیں ، اپنی گندی زبان سے اللہ کو پکارتے شرم آتی ہے،اس لئے ہم اولیاء کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں،اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اولیاء اور اکابر(باعطائے الٰہی)ان کی مرادیں پوری کرنے پر قادر ہیں۔

یہ خیال انتہائی غلط، اور غلطیوں کا مجموعہ ہے۔

پہلی غلطی ان سے یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی کو دنیوی بادشاہوں اور حکّام کے دربار پر قیاس کر لیا اور سمجھ لیا کہ دنیوی بادشاہوں کی طرح اللہ کی بارگاہ میں بھی ہر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی، اور یہ غلطی پہلی غلطی سے زیادہ بدتر ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے کچھ اختیارات نبیوں، ولیوں اور شہیدوں کو عطا کر دیے ہیں، اور وہ ان چیزوں میں خود مختار ہیں جو چاہیں کریں، جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

لیکن یہ دونوں خیالات بالکل باطل اور غلط ہیں، ان سے عقیدے پر زد پڑتی ہے، فقہائے شوافع اس کے قائل نہیں ہیں، اور نہ فقہاء کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اسے کائنات کے ایک ایک ذرّے کا علم بھی ہے اور اس پر قدرت بھی کائنات کی کوئی چھوٹی بڑی چیز نہ اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کے حکم قضا و قدر سے آزاد ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا علم، اس کا ارادہ، اس کی مشیت، اس کی قدرت اور اس کی تکوین، زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پر حاوی اور کائنات کے ایک ایک ذرّے کو محیط ہے، درخت کا ایک پتہ بھی اس کے علم و ارادہ اور حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا ہے۔ اس کے نظام میں اس کا کوئی شریک ہے نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس نے کائنات میں تصرف کے اختیار کسی کو عطا کئے ہیں۔

مسئلۂ توسل کی وضاحت امام سبکیؒ کے کلام سے

اب ہم یہاں امام سبکیؒ کا کلام نقل کرتے ہیں، جس سے وسیلہ، استغاثہ اور تشفع کی حقیقت ان شاءاللہ واضح ہو جائے گی، اس لئے کہ اس سلسلہ میں متقدین میں سے سب سے طویل اور مفصل کلام غالباً امام سبکیؒ کا ہی ہے اور بعد کے تمام حضرات جیسے ابن حجر مکی علامہ رملی صاحب بغیہ وغیرہ سب نے اس سلسلہ میں امام سبکی ہی کے دستر خوان سے خوشہ چینی کی ہے۔

چناچہ امام سبکیؒ اپنی مشہور کتاب "**شفاء السقام فی زیارہ خیر الانام**" میں فرماتے ہیں:

اعلم أنه يجوز و يحسن التوسّل والا ستغاثه و ا لتشفع با لنبی ﷺ إلى ربه سبحانه و تعالىٰ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں نبی کریم ﷺ کا وسیلہ پکڑنا، آپ کے وسیلہ سے (اللہ سے) مراد طلب کرنا اور آپ ﷺ کو سفارشی بنانا جائز بلکہ بہتر ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

و أقول: إن التوسّل بالنبی ﷺ جائز فی كل حال، قبل خلقه، و بعد خلقه، فی مدة حياته فی الدنيا و بعد موته فی مدة البرزخ و بعد البعث فی عرصات القيامة و الجنة

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کا وسیلہ پکڑنا ہر حال میں جائز ہے، یعنی آپ کی پیدائش سے پہلے بھی، اور پیدائش کے بعد بھی، آپ کی دنیوی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد حالتِ برزخ میں بھی، اس طرح بعث بعد الموت کے مرحلات قیامت اور جنت میں بھی۔

پھر وسیلہ کی قسموں پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهو علىٰ ثلاثة أنواع: النوع الاول: أن يتوسّل به، بمعنى: أن

ترجمہ: توسّل کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم: یہ ہے کہ آپ کے وسیلہ سے سوال کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حاجتمند حضورؐ کے واسطے سے، یا

طالب الحاجة يسأل الله تعالیٰ به أو بجاهه ، أو ببركته ، فيجوز ذلك في الأحوالِ الثلاثة و قد ورد في كل منها خبر صحيح

آپ کی وجاہت وبرکت کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے مانگے (دعا کرے) تو یہ تینوں حالتوں (آپ کی پیدائش سے پہلے، اس دنیوی حیات میں، اور آپ کی وفات کے بعد کے مراحل) میں جائز ہے، اور ہر ایک کے بارے میں حدیث صحیح وارد ہے۔

پھر آپ نے ان تینوں حالتوں کے اپنے دلائل کو ذکر کیا ہے۔ مزید آپ ارشاد فرماتے ہیں:

ولسنا في ذلك سائلين غير الله تعالیٰ ، ولا داعين إلا اياه ،وقد يكون ذكر المحبوب أو العظيم، سببًا للإجابة

ترجمہ: (توسّل کا مطلب) یہ نہیں کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور سے سوال کررہے ہیں یا کسی اور کو پکار رہے ہیں، بلکہ (توسّل کا مطلب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے محبوب یا کسی ایسے شخص کو جس کا اللہ کے یہاں مرتبہ ہے، اس کے ذکر کو قبولیت کا سبب مانتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

كذلك السوال بالنبي ليس سوالًا للنبي ﷺ ، بل سؤال لله به

ترجمہ: حضور ﷺ کے واسطے سے سوال کرنا یہ حضور ﷺ سے سوال کرنا نہیں ہے، بلکہ آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے

توسّل کی دوسری قسم

امام سبکیؒ فرماتے ہیں:

النوع الثانی: التوسّل به بمعنی طلب الدعاء منه و ذلك فی أحوالٍ، احداها فی حیاته ﷺ وھذا متواتر والاخبار طافحة به

ترجمہ: توسّل کی دوسری قسم: حضور ﷺ کا وسیلہ لینا، یعنی حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا، اور اس کی چند صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ آپ کی حیات میں آپ سے دعا کی درخواست کرنا۔ تو یہ تواتراً ثابت ہے، اور اس سلسلہ میں احادیث بکثرت وارد ہیں۔

پھر آپ نے اس کی مثال پیش فرمائی: جیسے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا" اے اللہ کے رسول! قحط سالی کی وجہ سے 'اموال ختم ہو گئے' راستے سب بند ہو گئے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے بارش کیلئے دعا کیجئے۔"

پھر فرماتے ہیں:

و كذلك یجوز مثل هٰذا التوسّل بسائر الصالحین ، و هٰذا شیئ لاینکره مسلم

یعنی توسّل کی یہ صورت تو صالحین کے حق میں بھی صحیح ہے (یعنی صالحین سے بھی ان کی حیات میں دعا کی درخواست کر سکتے ہیں) اور اس کا کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کرتا۔

دوسری قسم کی دوسری صورت: یہ ہے کہ مؤمنین قیامت کے دن آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: الحالة الثانیة : بعد مو تهﷺ فی عرصات القیامة با لشفاعة منه ﷺ

اس پر تو خیر اجماع ہے۔

دوسری قسم کی تیسری صورت: المتوسطة فی مدة البرزخ ولا مانع من ذلك

یعنی تیسری صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اور قیامت سے پہلے برزخ کی مدت میں (آپ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر) آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ آپ نے ایک واقعہ اس سلسلہ میں ذکر فرمایا کہ ایک شخص نے قبر شریف پر حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اے اللہ کے رسول، آپ اللہ تعالیٰ سے بارش کیلئے دعا کیجئے۔

توسّل کی تیسری قسم:

امام سبکیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

النوع الثالث من التوسّل: أن يطلب منه ذلك الأمر المقصود، بمعنى أ نه ﷺ قادر على التسبب فيه، بسؤاله ربه و شفاعته إليه فيعود إلى " النوع الثانی " فی المعنى، و إن كانت العبارة مختلفة، و من هذا قول القائل للنبی ﷺ: اسألك مر افقتك فی الجنه، قال: أعنّی على نفسك بكثرة السجود"

ترجمہ: توسّل کی تیسری صورت یہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ سے امر مقصود کو طلب کیا جائے، اس معنیٰ کر کے کہ آپ (خود سے دینے پر تو قادر نہیں ہیں مگر اللہ کی طرف سے) مل جانے کا سبب بن سکتے ہیں، یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، اور سفارش فرمائیں گے۔ تو دراصل یہ بھی دوسری قسم میں داخل ہے، الگ سے تیسری قسم نہیں ہے گرچہ الفاظ مختلف ہیں، چنانچہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ " میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا "(میں تو دعا کروں گا) تم بھی اپنے آپ کے سلسلہ میں کثرتِ سجود سے میری مدد کرو۔"

پھر امام سبکی نے فرمایا:

ولا يقصد الناس بسؤالهم ذلك إلا كون النبی ﷺ سببًا و شافعاً

اس طرح کے سوالات سے لوگ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ صرف سبب اور سفارشی ہیں۔

پھر آپ ؒ ایک اعتراض کے جواب میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

فالتوسل والتشفع والتجوه والاستغاثة بالنبی وسائر الأنبياء والصالحين ، ليس لها معنى فی قلوب المسلمين غير ذلك ولا يقصد بها أحد منهم سواه

نبی کریم ﷺ ، انبیاء کرام اور صالحین کے واسطہ سے توسل، تشفع، تجوہ اور استغاثہ کا (یہی مطلب مسلمانوں کے دل میں جما ہوا ہے کہ وہ ان حضرات سے نہیں مانگتے، بلکہ ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، اس کے علاوہ) کوئی دوسرا مطلب ہر گز نہیں ہے، (چاہے آپ اسے توسل کہیں تشفع کہیں، تجوہ کہیں، یا استغاثہ کہیں، سب کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی ان حضرات کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا) اور نہ ان میں سے کسی نے اس کے علاوہ کسی معنیٰ کا ارادہ کیا ہے۔ اھ

پھر فرماتے ہیں:

والمستغاث به فی الحقيقة هو الله تعالىٰ ، والنبی واسطة بينه و بين المستغيث

یعنی مدد تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے مانگی جارہی ہے، حضور ﷺ مدد مانگنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف واسطہ ہیں۔

امام سبکی ؒ کا مفصل کلام نقل کرنے کے بعد اب ہم اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

ا۔ امام سبکیؒ نے توسل کی جو تیسری قسم بیان کی ہے، تو اگرچہ خود اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ اس صورت میں بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے سوال ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی درخواست ہے۔

اس کے باوجود ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس طرح کے توسل سے بالخصوص اس زمانہ میں بچنا بہت ضروری ہے، اس لئے کہ الفاظ کے ظاہر سے اس زمانہ میں دھوکہ کھانا یقینی ہے، بالخصوص اس لئے بھی کہ امام سبکی نے دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حیات کی دی ہے اور آج کل مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کا ہے۔

امام سبکیؒ کا زمانہ وہ تھا جب علم اور اہلِ علم عام تھے، لوگوں کے عقائد اکثریتی طور پر درست تھے، آج اس زمانے میں جب لوگ ضعیف العقیدہ ہیں اور عقیدے کی خرابی عام ہو چکی ہے، اس سے احتیاط لازم ہے، جب رفیق سعدی جیسے لوگ اپنے آپ کو "مفتی، سعدی، افضلی، قادری" لکھنے کے باوجود دھوکہ کھا سکتے ہیں تو عوام الناس کا گمراہ ہونا یقینی ہے۔

۲۔ امام سبکیؒ کی پیدائش ۶۸۳ھ اور وفات ۷۵۶ھ کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ امام شافعیؒ سے امام سبکیؒ کے درمیان تقریباً ۵۰۰ سال کا عرصہ گزرا ہے، درمیانی زمانے میں سینکڑوں فقہائے شوافع گذر چکے ہیں ان میں سے کسی نے اس مسئلہ پر اس طرح کلام نہیں کیا، آخر کیوں؟

۳۔امام سبکیؒ نے جس توسل کی بات کی وہ مکمل طور پر صرف حضور ﷺ کے وسیلہ سے متعلق ہے،اور سارے دلائل بھی آپؒ نے وہی پیش کئے جو حضور ﷺ کے وسیلہ سے متعلق ہیں۔

۴۔اور جن صورتوں میں حضور ﷺ سے ''دعا کی درخواست'' والا وسیلہ مذکور ہے ان میں اس بات کی صاف صاف وضاحت ہے کہ یا تو آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی، یا آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبرِ اطہر پر حاضر ہو کر دعا و شفاعت کی درخواست کی،امام سبکیؒ کے کلام سے یہ کہیں پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے حضور ﷺ کو دور سے پکارنے اور حاضر و ناظر سمجھنے کی اجازت دی ہو۔

۵۔ امام سبکیؒ کے اس کلام میں پیش کردہ دلائل صحت و سقم کے اعتبار سے کتنے مضبوط ہیں اور آپ کے مستدلّات اور استدلال میں کتنا تعلق ہے اس سے ہمیں بحث نہیں، ہمیں تو بس اتنا کہنا مقصود ہے کہ امام سبکیؒ نے تفصیلی طور پر واضح اور واشگاف انداز میں بتلا دیا کہ توسل، تجوہ، تشفع اور استغاثہ ان تمام الفاظ میں حقیقتاً توسل مراد ہے، نبی، ولی یا کسی اور سے مانگنا مراد نہیں ہے، بلکہ ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے۔

امام سبکیؒ کی ''شفاء السقام'' وہ کتاب ہے جس کا حوالہ خود سعدی صاحب نے اپنے کتابچہ میں دیا ہے، تو کیا امام سبکیؒ کی یہ عبارتیں ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھیں، یا وہ (بقولِ خود) تجاہلِ عارفانہ سے کام لے کر آگے بڑھ گئے؟

اب ہم یہاں وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء، اولیاء اور خود حضور اقدس ﷺ بھی مختارِ کل نہیں ہیں، قیامت کے دن بھی آپ کو محدود اختیار دیا گیا

ہے، لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا بالکل غلط ہے کہ آپ ﷺ سائل کو ہمہ وقت ہر چیز دینے پر قادر ہیں۔

ہم یہاں وہ حدیثِ پاک بھی پیش کر دیتے ہیں جو امام طبرانیؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک منافق مسلمانوں کو تکلیف دیتا تھا، کسی نے کہا" چلو ہم اس منافق کے سلسلہ میں حضور ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں" حضور ﷺ کو ان الفاظ کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إنما لا يستغاث بي و إنما يستغاث بالله"یعنی مجھ سے مدد طلب نہ کی جائے، مدد تو اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے گی۔ اگرچہ یہ روایت "ابن لهيعه" کی وجہ سے متکلم فیہ ہے۔

اب دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں، جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ ایک شخص یا محمد کہہ کر پکارے گا تو میں کہوں گا کہ میں کسی چیز کا مالک و مختار نہیں ہوں۔

قال النبیؐ: تأتي الابل على صاحبها على خير ما كانت اذا هو لم يعط فيها حقها، تطؤه بأخفافها، وتأتي الغنم على صاحبها على خير ما كانت إذا لم يعط فيها حقها، تطؤه بأظلافها وتنطحه بقرونها، قال: ومن حقها أن تحلب على الماء قال: ولا يأتي أحدكم يوم القيامة بشاة يحملها على رقبته لها يعار فيقول: يا محمد فأقول: لا أملك لك شيئا، قد بلغت، ولا يأتي ببعير يحمله على رقبته رغاء فيقول يا محمد، فأقول: لا املك لك شيئا قد بلغت

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) اونٹ جن کی دنیا میں زکوٰۃ نہ دی ہو، خوب موٹے تازے اچھے بن کر آئیں گے، اور اپنے مالک کو پاؤں سے روندے گے، اسی طرح بکریاں بھی جن کی زکوٰۃ نہ دی ہو، اچھی موٹی تازی بن کر اپنے مالک کو کھروں سے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: بکریوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ پانی پر پہنچ کر ان کا دودھ دوہا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی قیامت کے دن بکری کو اپنی گردن پر لادے ہوئے لائے، وہ آواز نکال رہی ہو، پھر وہ شخص مجھ کو پکارے، کہے یا محمد ﷺ مجھ کو بچاؤ، میں کہوں گا میں کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تو اللہ کا حکم تم کو پہنچا دیا تھا، اور ایسا نہ ہو، کوئی اونٹ اپنی گردن پر لادے ہوئے آئے وہ آواز لگا رہا ہو، پھر کہے، یا محمد مجھ کو چھڑاؤ، میں کہوں گا میں کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تو اللہ کا حکم تم کو پہنچا دیا تھا۔

ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

وفیه عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قام رسول الله ﷺ حین أنزل الله علیه (وأنذر عشیرتك الأقربین) الشعراء فقال: یامعشر قریش -أو کلمة نحوها- اشتروا أنفسکم؛ لا أغنی عنکم من الله شیئا، یا صفیة عمة رسول الله ﷺ لا أغنی عنکم من الله شیئا و یا فاطمة بنت محمد سلینی من مالی ما شئت، لا أغنی عنکم من الله شیئا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وأنذر عشیرتک الاقربین والی آیت نازل ہوئی تو آپ نے کھڑے ہو کر قریش کو مخاطب کیا اور فرمایا: اے قریش کی جماعت! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو میں اللہ کے مقابلے تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے مقابلے تمہارے کچھ بھی

کام نہیں آسکتا، اے فاطمہ بنت محمد ﷺ مالی اعتبار سے مجھ سے جو چاہے مانگ لو
میں اللہ کے مقابلے تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

ایک اور روایت

حدیثِ شفاعہ اس سلسلہ کی مشہور ترین روایت ہے، جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضور ﷺ سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: ''یامحمد ارفع رأسك، سل تعطه، اشفع تشفع''

الغرض حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت فرمائیں گے۔

ساتویں فصل

فقہائے شوافع پر لگائے گئے الزامات اور ان کا جواب

اس فصل میں اب ہم ان عبارتوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں جن کی بنیاد پر سعدی جی نے فقہائے شوافع پر الزام لگایا ہے کہ وہ غیر اللہ سے مانگنے کے قائل ہیں، نیز ضروری ہوگا کہ خود سعدی صاحب کی تحریر کا بھی کچھ محاسبہ ہو جائے۔

سعدی صاحب کی مختلف عبارتیں یہ ہیں:

اس عبارت کے پہلے نقطہ پر نظر ڈالئے:

""تحفۃ الباری کے مصنف نے اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگنے کو شرک قرار دیا اور مدد مانگنے والے کو مشرک قرار دیا۔ ایسا لگتا ہے کہ مولوی صاحب علمائے شافعیہ کے عقائد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ جب انہیں عقیدے کی کوئی بات لکھنی تھی تو پہلے تحقیق کر لیتے، معتمد شافعی علماء کی کتابوں کو دیکھ لیتے، مگر انہیں اس کی توفیق نہیں ہوئی یا انہوں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا۔""

سعدی صاحب فرماتے ہیں: ""انہیں علامہ رملی کا فتوی ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن میں اللہ کے نیک بندوں سے ""مانگنے"" کو جائز قرار دیا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: ""شارح بخاری علامہ قسطلانی اور علامہ نبہانی جیسے آفتاب و ماہتاب حضور اقدس ﷺ اور اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کرنے کے جائز ہونے کی تائید فرمارہے ہیں۔""

ایک جگہ ذکر کرتے ہیں: "" تاریخِ اسلام یہ بتاتی ہے کہ مستند علماء کرام، ائمۂ عظام کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور اولیاء سے مدد طلب کرنا جائز ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء سے مدد مانگنا صدیوں سے علماء کرام کا معمول رہا ہے۔"" وغیرہ وغیرہ۔۔۔

الغرض پورے رسالے میں یہی تاثر دیا گیا ہے کہ ""غیر اللہ"" سے مدد مانگنا اور مصیبت کے وقت انہیں پکارنا فقہائے شوافع اور دیگر ائمہ کا معمول رہا ہے۔

ا۔ سعدی صاحب نے اپنی تحریر میں تاریخ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

اب سعدی صاحب کے یہاں تاریخِ اسلام کتنی مختصر ہے وہی جانیں، مگر ہمارے سامنے انہوں نے تاریخِ اسلام کے ۱۰۰ ویں بلکہ ہزارویں حصہ کا بھی تذکرہ نہیں کیا،اور جن چند علماء کے نام انہوں نے پیش کئے ہیں وہ بھی محض ادعاء،اتہام اور فریب دہی کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ ہمیں توسعدی صاحب سے یہ معلوم کرنا ہے کہ فقہائے شوافع کی تاریخ کب سے شروع ہوتی ہے، آیا امام نوویؒ اور امام سبکیؒ کے زمانے سے یا اس سے پہلے سے، بلکہ صحیح معنوں میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ خود بانیٔ مسلک امام شافعیؒ کی زیادہ نہیں تو ایک دو عبارتیں ہی سہی وہ پیش کرتے جن سے ہمیں معلوم ہوتا کہ ''غیر اللہ'' سے مدد مانگنا جائز ہے۔

لیکن جب ہم امام شافعیؒ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگتے ہیں،اور کس قدر فصیح اور جامع الفاظ میں وہ آپ ماقبل میں دیکھ چکے ہیں۔

۳۔ امام شافعیؒ کے بعد امام بویطیؒ، امام مزنیؒ اور ربیع مرادیؒ جیسے فقہائے شوافع کی عبارتیں پیش فرماتے۔

پھر اس کے بعد شیخ الاسلام ابن خزیمہ ، ابن سریج ،امام الحرمین ، امام غزالی ، امام رافعیؒ، قاضی حسین ،ماوردی،امام رویانی،امام طبری وغیرہ علماء شوافع کا ایک بڑا طبقہ گزرا ہے ،جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے،ضروری تھا کہ اگر مکمل فقہائے شوافع کو ''بدنام'' کرنا تھا تو ان حضرات کی تحریریں بھی بدنامی کی ''سند'' کے طور پہ پیش کی جاتیں۔

لیکن شاید سعدی صاحب کے نزدیک یہ تمام حضرات (بلکہ امام نووی کے زمانے کے بعد کے بہت سارے ائمہ فقہِ شافعی بھی) معتمد علماء کی فہرست میں نہیں ہیں،اس لئے کہ انہوں نے تو ''معتمد'' شافعی علماء کی کتابوں کی بات کی ہے۔

۴۔ سعدی صاحب نے اپنی کتاب میں بعض فقہائے شوافع کی کتابوں میں سے چند عبارتیں نقل کیں، اور ان کا غلط ترجمہ کرکے یہ تاثر دیا، بلکہ صراحۃً (اور خیانۃً) یہ اعلان کر دیا کہ فقہائے شوافع غیر اللہ سے مانگنے کے قائل ہیں۔

ان ساری عبارتوں کا ایک اجمالی جواب یہ ہے کہ سعدی صاحب نے ان عبارتوں کا ترجمہ غلط کیا ہے، اب اس کو ان کی خیانت کہیے یا کم علمی؛ بہر حال ترجمہ غلط ہے، آپ نے ہر جگہ ترجمہ میں وسیلہ کو استغاثہ کے معنی میں لے کر اس کا غلط ترجمہ کیا ہے، **حضور ﷺ کے ذاتِ عالی کے وسیلہ اور طفیل میں دعا مانگنا اور چیز ہے اور اس کے ہمارے بہت سے اکابرین وفقہاء قائل ہیں، لیکن حضور ﷺ کو اصل مالک ومختار سمجھ کر آپ سے مدد مانگنا اور چیز ہے، اس کا اہلِ سنت والجماعت اور شوافع میں سے کوئی قائل نہیں۔** اور دونوں میں اتنا واضح فرق ہے کہ کوئی کم عقل ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔

وہ آیات ایک مرتبہ پھر سے دہرا لیجئے، ایک نظر دیکھ لیجئے، پھر آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا علماء شوافع کو وہ آیات واحادیث معلوم نہیں تھیں، کیا انہیں یہ آیت مستحضر نہیں تھی "قل لا املك لنفسی نفعًا و لا ضرًا" کیا وہ ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں یہ آیت نہیں پڑھتے تھے "ایاك نعبد و ایاك نستعین" کہ "ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" اور کیا اس کے باوجود وہ "غیر اللہ" سے مدد مانگ سکتے ہیں۔

سعدی صاحب نے اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے فقہاء کی عبارتیں پیش کی ہیں، جن میں سے علامہ رملیؒ کی یہ عبارت پیش کی "بأن الاستغاثة بالأنبياء والمرسلين والأولياء والعلماء والصالحين جائزة۔۔۔"

نیز صاحبِ انوار کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں: ”وینبغی للزائر أن یکثر عن الدعاء والتضرع والاستغاثة والتشفع والتوسل والتوجه به ﷺ۔۔۔“

اور صاحبِ بغیۃالمسترشدین کی یہ عبارت: ”التوسل بالأنبیاء والأولیاء فی حیاتهم و بعد مماتهم مباح شرعًا۔۔۔“

اسی طرح امام سبکیؒ اور علامہ باجوریؒ کی عبارت بھی پیش کی، اور پھر سعدی صاحب نے حضور ﷺ اور صالحین کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کو ہر جگہ خود ان حضرات سے مدد مانگنے پر محمول کیا۔

حالانکہ خود صاحبِ بغیہ نے اس بات کی وضاحت کردی کہ دراصل اللہ سے مدد مانگنا مطلوب ہے نہ کہ بندے سے، لہٰذا اس کا ترجمہ یہ کرنا کہ انبیاء و علماء سے مدد مانگنا جائز ہے سراسر ناانصافی ہے۔

لیجئے! فقہ شافعی کل ملاکر صرف پانچ عبارتوں میں یا پانچ کتابوں میں سمٹ گئی، کیا فقہِ شافعی اس قدر مختصر ہے کہ اس کی کل پانچ چھ عبارتوں سے ایک بات نکال کر اسے فقہائے شوافع کی طرف منسوب کردیا جائے، اور بات بھی ایسی جس کی حقیقت کچھ اور ہو اور بیان کچھ اور کردیا جائے۔

سعدی صاحب کی بنیادی غلطی

سعدی صاحب نے جن عبارتوں سے استدلال کیا ہے اور ان کا ترجمہ کیا ہے ان کے سلسلہ میں ان سے ایک بنیادی غلطی یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے توسل کو ہر جگہ استغاثہ کے معنی میں لیا ہے، اور ہر جگہ ترجمہ یہ کردیا کہ ”انبیاء، علماء، صالحین سے مدد مانگنا جائز ہے۔“

حالانکہ جن چند عبارتوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے ان میں اصل توسل مراد ہے، یعنی ''انبیاء، علماء، صالحین کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا جائز ہے۔''

اور اپنی اس بنیادی غلطی کی تائید میں ابن حجر مکیؒ کی عبارت کو پیش کر دیا'' ولا فرق بين ذكر التوسل والاستغاثة والتشفع، والتوجه به ﷺ أو بغيره من الأنبياء ، وكذا الأولياء'' ویسے بھی مترجم محترم ''ذکر'' کے لفظ کا ترجمہ ہضم کر گئے،اور اس سے استدلال کیا کہ چوں کہ سارے الفاظ ایک ہیں اس لئے وسیلہ ہر جگہ استغاثہ کے معنی میں ہے۔

اسے کہتے ہیں استدلالِ معکوس یعنی الٹا استدلال، ابن حجر مکی ہوں یا امام سبکیؒ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں جہاں استغاثہ کے الفاظ وارد ہیں وہاں توسل مراد ہے یعنی نبی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا مراد ہے، وہاں سعدی صاحب نے ہر ہر توسل کو استغاثہ کے معنی میں لے لیا،اور اس کا غلط مطلب نکالا ہے،امام سبکیؒ کی ما قبل میں پیش کردہ عبارت اس کی بیّن دلیل ہے، اسی غلط فہمی کی وجہ سے ان کا استدلال ہر جگہ غلط ہو گیا ہے۔

لغوی اور اصطلاحی معنی کا فرق

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عربی زبان میں بسا اوقات لفظ کے ایک معنی لغوی ہوتے ہیں،اور ایک معنی اصطلاحی ہوتے ہیں،اور دونوں میں فرق ہوتا ہے، جیسے: صلاۃ، لفظِ صلاۃ کے لغوی معنی ''دعا'' کے ہیں، لیکن لفظِ ''صلاۃ'' شریعت کی اصطلاح میں ''نماز'' کو کہتے ہیں، یا خارجِ صلاۃ ''درود'' کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ تو دیکھئے: یہاں لغوی معنی الگ ہیں اور اصطلاحی معنی الگ۔

اب اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ''صلاۃ'' کے لغوی معنی ''دعا'' ہیں، لہٰذا دن میں پانچ مرتبہ صرف دعا کرلینا کافی ہے، نماز کی ضرورت نہیں، تو ظاہر ہے یہ بات غلط ہے، اور کوئی بھی ہوشمند اس کی بات قبول نہیں کرے گا۔

اسی طرح لفظ ''زکوۃ'' ہے، زکاۃ کے لغوی معنی پاک صاف کرنے، نشوو نما، برکت اور کثرتِ خیر کے ہیں۔

اور شریعت کی اصطلاح میں ''زکوۃ'' مال میں سے نکالی جانے والی مخصوص مقدار کو کہتے ہیں۔

بعینہ اسی طرح لفظ ''استغاثہ'' کے ایک معنی لغوی ہیں یعنی کسی سے مدد طلب کرنا اور جب یہی لفظ فقہاء کی عبارتوں میں استعمال ہوا ہے تو ان تمام حضرات کی یعنی ابنِ حجر مکی، علامہ رملیؒ، صاحبِ بغیہ وغیرہ تمام حضرات کی اصطلاح میں یہ توسل ہی کے معنی میں ہے، یہ تمام حضرات توسل، تشفع، توجہ اور استغاثہ کو ایک ہی معنی میں یعنی حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ سے مانگنے پر محمول کر رہے ہیں، جیسے کہ امام سبکیؒ اور ابنِ حجر مکیؒ نے اس کی صراحت کر دی ہے، لہٰذا اس لفظ کا کوئی اور معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ کی مزید وضاحت

فقہاء و علماء کی عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ ان عبارتوں کا یہ ترجمہ ''حضور ﷺ سے مانگنا'' یہ غلط ترجمہ اور غلط عقیدہ ہے، بلکہ ان تمام عبارتوں کا مقصد یہی ہے کہ حضور ﷺ کے واسطے سے اللہ سے مانگنا، یہی بات امام سبکیؒ نے واضح طور پر بیان کی ہے۔

ابن حجر مکیؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، امام سبکیؒ نے صاف فرمادیا کہ یہ ''باء'' سببیہ ہے، اور پھر اس کے معنی بھی واضح کر دیئے، ابن حجر مکیؒ نے بھی وضاحت کر دی ہے کہ یہاں استغاثہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی (نبی) کے وسیلہ اس کے علاوہ (اللہ) سے مدد طلب کرنا، (نہ کہ خود نبی سے)

مزید فرماتے ہیں: توجہ اور استغاثہ کا یہی مطلب ہے، اور یہی مسلمانوں میں مشہور ہے۔ ابن حجر مکی نے بھی یہ عبارت ''الجوہر المنظم'' میں نقل فرمائی ہے، بلکہ اسی کتاب کی ایک اور واضح ترین عبارت ملاحظہ فرمائیں، بلکہ سعدی صاحب کے الفاظ میں ''دل تھام کر پڑھیے'' فرماتے ہیں: '' ثم السؤال به ﷺ لیس سؤالا له حتیٰ یوجب اشرا کا ''
توسل کے مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ سے سوال کرنا خود حضور ﷺ سے سوال کرنا نہیں ہے کہ شرک لازم آئے۔ الجوہر المنظم: ۱۱۰

سعدی صاحب! انہی ابن حجر کی آپ نے عبارت نقل کی، اور اس کا غلط ترجمہ کر کے غلط استدلال کیا ہے، اب انہی ابنِ حجر مکی کی عبارت آپ دیکھ لیں، خود ابن حجر مکی اس کی کیا ترجمہ کر رہے ہیں، اور یہ بھی دیکھ لیں کہ غلط ترجمہ کرنے والے (یعنی حضور ﷺ سے مانگنے والے) کو خود ابن حجر مکی ''شرک کرنے والا'' فرما رہے ہیں۔

موصوف نے علامہ نبہانی کا حوالہ بھی پیش فرمایا ہے، واضح رہے کہ علامہ نبہانی نے بھی ابنِ حجر کی یہ عبارت نقل کر کے اس کی تائید فرمائی ہے، گویا علامہ نبہانی کے نزدیک بھی حضور ﷺ (اور دیگر اولیاء) سے مانگنا شرک ہے۔ شواھد الحق: ۱۰۳

"وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" بہت ہی مشہور ومقبول کتاب ہے ،یہ نور الدین ابو الحسن السمہودی الشافعی کی تصنیف ہے اس میں آپ فرماتے ہیں۔

"لافرق فی هٰذا بین التعبیر بالتوسل أو الاستغاثة ، أو التشفع ، أو التوجه و معناه التوجه به فی الحاجة، وقد یتوسل بمن له جاء إلیٰ من هو أعلیٰ منه" (وفاءالوفاء: ۴/ ۱۹۴)

یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کہ آپ اس کو توسل سے تعبیر کریں یا استغاثہ، تشفع اور توجہ سے، سب کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے حاجت کا سوال کرنا اور بسا اوقات چھوٹے کا وسیلہ بڑے کی بارگاہ میں ہوتا ہے، (جیسے حضور ﷺ کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں۔)

علامہ نبہانی نے بھی امام سبکی کی عبارت پیش کر کے اس بات کو مزید واضح کر دیا کہ توسل میں مانگنا اللہ ہی سے ہے نہ کہ حضور ﷺ سے۔

فرماتے ہیں: جب مسلمان نبیٔ کریم ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر انبیاء وصالحین کے وسیلہ سے مانگے تو یہ ان کی عبادت نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے وہ توحید سے خارج نہیں ہوں گے، اور اللہ ہی نفع و نقصان کا تنہا مالک ہے، جب یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ یوں کہے "اسئل اللہ تعالیٰ برسولہ، کہ میں اللہ سے مانگتا ہوں اس کے رسول کے وسیلہ سے "لأنه سائل لله تعالیٰ لا لغیره" یہ سوال اللہ سے ہے اس کے علاوہ سے نہیں۔

شواہد الحق: ۱۰۵

دیکھئے! اب اس سے زیادہ واضح عبارت اور کیا ہو گی، اس میں صاف صراحت ہے کہ یہ سوال اللہ سے ہے نہ کہ رسول اللہ سے۔

علامہ مناوی شافعیؒ نے بھی ''فیض القدیر'' میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے کہ توسل میں مانگنا تو اللہ ہی سے ہے، نہ کہ حضور ﷺ سے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک نابینا شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا فرمایئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم چاہو تو میں دعا کرتا ہوں، اور اگر چاہو تو صبر کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ دعا فرمایئے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اچھی طرح وضو کر کے ان الفاظ کے ذریعہ دعا کرو: ''اللھم انی اسئلك و أتوجه إليك بنبيك محمد ﷺ نبی الرحمة، يا محمد إنی أتوجه بك إلی ربی فی قضاء حاجتی لتقضی لی، اللھم شفعه فیّ''

یعنی اےَ اللہ میں تیرے نبی محمد ﷺ جو کہ نبی رحمت ہیں ان کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، (پھر حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کیا) اےَ محمد ﷺ میں آپ کو اپنے رب کے پاس سفارشی بناتا ہوں، تاکہ میری حاجت پوری ہو، (یعنی میرا رب میری حاجت پوری کرے، پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا) اےَ میرے رب حضور ﷺ کی سفارش کو میرے حق میں قبول فرما۔ (فیض القدیر للمناوی: ۱۵۰۸)

دعا کا یہ مطلب علامہ مناوی شافعیؒ نے بین القوسین اپنی وضاحت کے ذریعہ بیان کیا ہے۔

اس میں بھی صاف طور پر وضاحت ہے کہ اس میں سوال اللہ تعالیٰ سے ہے، اور اس میں یہ بھی سوال ہے کہ اےَ اللہ! حضور ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ بقول علامہ مناویؒ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''من ذا الذی يشفع عنده الا بإذنه''

اور تو اور؛ خود **سعدی صاحب کے استاد اور شیخ عبدالقادر ملیباری صاحب** جن کی تقریظ سے جناب نے اپنے رسالے کی ابتداء کی ہے وہ خود اپنی اسی رسالے کی تقریظ میں لکھتے ہیں: ''انہوں نے ہر پریشانیوں اور ہر مصیبتوں میں **سرکارِ اقدس ﷺ کے توسل سے رب کی بارگاہ میں عرض کیا** اور ان کی فریاد رب کی بارگاہ سے پوری ہوئی۔''

لیجئے! سعدی صاحب کے استاد بھی توسل کا وہی معنی مراد لے رہے ہیں جو ہم فقہاء کے کلام سے بیان کر چکے ہیں۔ یہ جناب کے گھر کی گواہی ہے، ممکن ہے اب تو جناب کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔

اب دیکھئے! علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ مزید کیا فرماتے ہیں:

آپ اپنی مشہور کتاب الفضل المبین میں ''وإذا استعنت فاستعن بالله'' یعنی ''جب مانگنا ہو تو صرف اللہ سے مانگو۔'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دینی اور دنیوی امور میں سے ہر معاملہ میں صرف اللہ ہی سے مدد طلب کرو، اس لئے کہ یہ بات یقینی ہے کہ صرف اللہ ہی ہر چیز دینے پر قادر ہے، اور اللہ کے سوا ہر کوئی عاجز محض ہے، حتی کہ خود اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں، (دوسرے کی کیا مدد کریگا۔) مدد تو اس سے مانگی جاتی ہے جو مدد کرنے پر قادر بھی ہو۔ (اور وہ صرف اللہ ہی ہے۔)

پھر اسی حدیث میں آگے ایک جملہ ہے: ''وان اجتمعوا على أن يضروك بشيئ لم يضروك إلا بشيئ قد كتبه الله''

یعنی ''پوری مخلوق اگر تمہیں تکلیف پہنچانے پر جمع ہو جائے تو سب ملکر بھی تمہیں تکلیف نہیں پہنچا سکتے، مگر اتنی ہی جتنی اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھی ہے۔''

اس جملے کی تشریح میں ابن حجر مکی شافعیؒ مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہی کو سمجھو، وہی نفع پہنچانے والا اور وہی نقصان پہنچانے والا ہے، اس کے سوا کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔''

پھر مزید ارشاد فرماتے ہیں: یہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے، اور اس میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ تمام معاملات میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے، اور تن تنہا اللہ ہی تمام معاملات میں تصرف کرنے والا ہے، نفع نقصان کا مالک وہی ہے، اور اللہ کے علاوہ ہر کسی سے رخ موڑ لے، جس کو یہ یقین ہوگا کہ نفع نقصان کا مالک تن تنہا اللہ ہے وہ اپنی حاجتیں صرف اللہ کے سامنے پیش کرے گا، جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق میں رکھا گیا تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر فرمایا: کیا تمہاری کوئی حاجت ہے؟ تو فرمایا: ''أما إليك فلا'' کہ ''تم سے میری کوئی حاجت نہیں (میری حاجت تو اللہ پوری کریگا۔'')

محترم قارئین! ابھی آپ ابن حجر مکی شافعیؒ کی عبارت پڑھ رہے تھے، یہ وہی ابن حجر مکیؒ ہیں جن کے تعلق سے سعدی صاحب فرمارہے تھے کہ آپ ''غیر اللہ'' سے مانگنے کا درس دیتے ہیں، جبکہ ان سطروں میں آپ نے دیکھ لیا کہ ابنِ حجر مکی شافعیؒ کیا فرمارہے ہیں؟ کہ اپنی حاجتیں صرف اللہ کے سامنے پیش کرو۔

اب ابنِ حجر مکی کی ایک اور عبارت ذرا دل تھام کر بغور پڑھ لیجئے، فرماتے ہیں:

''ونعوذ بالله من اعتقاد نفع أو ضر في غيره تعالىٰ فان ذلك هو عين الشرك الأصغر بل أكبر كما لا يخفى''

''ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھیں، اس لئے کہ یہ تو (اللہ کے علاوہ کسی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا) شرکِ اصغر ہے، بلکہ شرکِ اکبر ہے، جیسے کہ کسی سے یہ بات مخفی نہیں۔'' (الفضل المبین: ۲۷۳۔۳۷۳۔۳۷۴)

اب ذرا ایک بار صاحبِ تحفہ مولانا ابراہیم خطیب صاحب کی عبارت پھر سے ملاحظہ فرمالیں:

> ''مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے۔''

اب دیکھئے! کیا یہ وہی بات نہیں ہے جو ابنِ حجر مکی شافعیؒ فرمارہے ہیں، الفاظ اگرچہ الگ ہیں، مگر بات بعینہ وہی ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو کائنات میں متصرف سمجھنا (یعنی نفع و نقصان کا مالک سمجھنا) شرک ہے۔

البتہ صاحبِ تحفہ مولانا ابراہیم صاحب نے اس کو صرف '' شرک'' کہا ہے جبکہ ابنِ حجر مکی شافعیؒ نے اس کو ''شرکِ اکبر'' یعنی بڑا شرک قرار دیا۔

اب ابنِ حجر مکیؒ کی اس سے زیادہ واضح عبارت دیکھئے: ابنِ حجر مکیؒ نے ''الجوہر المنظم'' میں ایک جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ توسل میں سوال حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ سے ہوتا ہے، حضور ﷺ سے سوال نہیں ہوتا، ورنہ شرک ہو جائے گا۔

اس میں تو حضور ﷺ سے مطلق مانگنے کو ''شرک'' فرمارہے ہیں۔

ابنِ حجر مکی شافعیؒ کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو:

آپ نے حنفیہ و مالکیہ کی کتابوں سے کئی موجبِ کفر اقوال و افعال نقل کرنے کے بعد حنابلہ کی کتابوں سے کچھ "مکفرات" نقل کئے ہیں، انہی میں سے یہ بات بھی ذکر کی، فرماتے ہیں: "ومن ذلك أن يجعل بينه و بين الله تعالىٰ وسائط يدعوهم و يسألهم قالوا اجماعًا"

اور انہی باتوں میں سے جن سے کفر لازم آتا ہے یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان واسطے بنائے، ان سے دعا کرے ان سے سوال کرے۔ حنابلہ کا کہنا ہے کہ یہ "بالاجماع" کفر ہے۔ دیکھئے: الاعلام بقواطع الاسلام: ۵۷

علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے دیگر مقامات میں بہت سی باتوں کو نقل کرنے کے بعد ان پر نکیر کی ہے، یا اس میں اختلاف ہو تو واضح کیا ہے، جبکہ یہاں بغیر نکیر کے گزر گئے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ گویا یہ قول یعنی اللہ کے علاوہ کسی سے دعا کرنا یا سوال کرنا آپ کے نزدیک بھی موجبِ کفر ہے۔

بالخصوص اس لئے بھی کہ حنابلہ نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اور اجماع اسی وقت ہوتا ہے جب پوری امت (چاہے حنابلہ ہوں یا شافعیہ، مالکیہ ہوں یا حنفیہ سب کے سب) اس پر متفق ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ضرور نکیر کرتے۔

ابھی ماقبل میں گزرا کہ ایک دوسرے مقام پر ابنِ حجر مکی شافعیؒ نے اس چیز کو شرکِ اکبر کہا ہے۔

صاحبِ بغیہ کی عبارت آپ نے استدلال میں پیش کی، لیکن جہاں سے اس عبارت کی اصل وضاحت شروع ہوتی ہے وہیں سے عبارت کاٹ دی۔

آیئے! دیکھئے کہ صاحبِ بغیہ اس سلسلہ میں مزید کیا کہتے ہیں:

فرماتے ہیں:

نعم ینبغی تنبیه العوام علی الفاظٍ تصدر منهم تدل علی القدح فی توحیدهم فیجب ارشادهم وإعلامهم بأن لا نافع ولا ضار الا الله تعالیٰ، لا یملك غیره لنفسه ضرا ولا نفعا بإرادة الله تعالیٰ، قال تعالیٰ لنبیه علیه الصلاة والسلام: قل إنی لا أملك لکم ضرا ولا رشداً(الجن:۲۱)

ترجمہ: ”تاہم عوام کو متنبہ کرنا ضروری ہے کہ ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جو ان کی توحید (اور عقیدہ) میں خلل اور خرابی کا سبب بن جاتے ہیں، لہٰذا ان کی رہبری کرنا اور ان کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ نفع نقصان کا مالک محض اللہ تعالیٰ ہے، کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ کے بغیر اپنی ذات کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ یوں کہہ دیں کہ: اے لوگو! میں تمہارے نہ نقصان کا مالک ہوں نہ ہدایت کا۔“

بغیۃ المسترشدین

صاحبِ بغیہ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کس طرح گمراہی میں مبتلا ہوتی ہے، جب کہ دوسری طرف سعدی صاحب عوام کو اللہ کے علاوہ سے مانگنے کا درس دے رہے ہیں۔

اب صاحبِ بغیہ کی وہ عبارت دیکھئے جو اس سلسلہ میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہے:

أما الوسائط بين العبد وبين ربه ! فان كان يدعوهم كما يدعو الله تعالىٰ في الأمور و يعتقد تأثيرهم في شيئ من دون الله فهو كفر

ترجمہ: ''بہر حال اللہ اور رب کے درمیان واسطے بنانا، اگر وہ واسطے بنانے والا اپنے معاملات میں ان واسطوں سے دعا مانگتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں اور اللہ کے علاوہ ان کو معاملات میں مؤثر اور متصرف سمجھتا ہے تو یہ کفر ہے۔''

یہاں صاحبِ بغیہ اس شخص کے کفر کا صریح اعلان کر دیا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کو مؤثر اور کائنات میں متصرف سمجھ کر پکارے۔

اب ذرا صاحبِ تحفہ مولانا ابراہیم خطیب صاحب کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیں جس پر سعدی صاحب اور ان کے ہم مشرب حضرات کو اعتراض ہے۔

''مصیبت اور تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے، اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے

دیکھئے! بغور دیکھئے!!

کیا صاحبِ بغیہ کی بات بعینہ وہی بات نہیں جو صاحبِ تحفہ نے تحفۃ الباری میں نقل کی ہے؟ دونوں میں ذرہ برابر بھی تو فرق نہیں ہے، اب تو ان حضرات کی آنکھیں کھل جانی چاہیئے، اور تعصب و تشدد کا راستہ ترک کر کے حق بات قبول کر لینی چاہیئے۔ واللہ الموفق والمستعان

اور پھر صاحبِ بغیہ مزید نقل کرتے ہیں:

وإن كان مراده التوسل بهم إلى الله تعالىٰ فى قضاء مهماته مع اعتقاده أن الله هو النافع الضار المؤثر فى الأمور فالظاهر عدم كفره وإن كان فعله قبيحًا

” اور اگر اس کی مراد یہ ہو کہ وہ ان واسطوں کا اللہ تعالیٰ سے اپنے معاملات کے لئے دعا کرنے میں محض وسیلہ لیتا ہے، اور اس کا عقیدہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو نفع نقصان کا مالک اور کائنات کے امور میں متصرف سمجھتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کفر نہیں ہے۔ تاہم اس کا یہ فعل قبیح اور برا ہے۔“

الحمد للہ صاحبِ بغیہ کی پیش کردہ عبارت سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ”تحفۃ الباری“ کی عبارت گمراہ کن نہیں بلکہ عین مقتضائے شریعت اور فقہائے شوافع کی عبارتوں کے موافق ہے۔

اور مزید یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ توسل کی جو صورت جائز ہے بہر حال اس کا استعمال بھی بُرا ہے۔

بالخصوص اس لئے بھی کہ آج کل کے عوام ویسے بھی کمزور اور غلط عقیدوں میں مبتلا ہیں جیسے کہ خود صاحبِ بغیۃ المسترشدین نے وضاحت کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں عوام کا عقیدہ اور نظریہ کیا ہوتا ہے ہم سے بڑھ کر سعدی صاحب جیسے حضرات اس سے بخوبی واقف ہوں گے۔

اب **صاحبِ نہایہ علامہ رملیؒ** کی بھی ایک عبارت دیکھ لیجئے! جس میں آپ نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ کرامت میں ولی مستقل بالذات نہیں ہوتا، چنانچہ آپ فتاویٰ رملی جلد نمبر ۴ صفحہ ۳۳۷ پر فرماتے ہیں:

قال الأئمة: ماجاز أن يكون معجزة لنبي جاز أن يكون كرامةً لولي ، لا فارق بينهما إلا التحدى ، فمرجع الكرامة إلى قدرة الله تعالىٰ، نعم إن أراد استقلال الولي بذلك فهو كفر

یعنی ائمہ کرام فرماتے ہیں: جس چیز کا نبی کے لئے بطورِ معجزہ کے ہونا ممکن ہے اسی چیز کا ولی کے لئے بطور کرامت کے صادر ہونا ممکن ہے، معجزہ اور کرامت میں تحدّی یعنی چیلینج کے سوا کوئی فرق نہیں، پس کرامت دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف لوٹتی ہے۔
ہاں! اگر کوئی کرامت میں ولی کو مستقل بالذات سمجھے (یعنی یہ سمجھے کہ ولی اس کو اپنے اختیار اور اپنی قدرت سے کرتا ہے) تو وہ کافر ہے۔

علامہ مقریزی شافعیؒ فرماتے ہیں: زیارتِ قبور کے سلسلہ میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

إنها على ثلاثة اقسام: قوم يزورون الموتىٰ فيدعون لهم، وهٰذه زيارة شرعية، و قوم يزورنهم، يدعون بهم، فهٰؤلاءهم المشركون فى الألوهية والمحبة، وقوم يزورونهم فيدعونهم أنفسهم، وهؤلاءهم المشركون فى الربوبية

یعنی زیارتِ قبور کے سلسلہ میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ لوگ جو قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور اہلِ قبور کے لئے دعا کرتے ہیں، یہ زیارت کا صحیح اور شرعی طریقہ ہے۔

دوسرے وہ لوگ جو قبروں کی زیارت کرتے ہیں، اور ان کے طفیل دعا کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں باری تعالیٰ کی صفتِ الوہیت میں شرک کرتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ جو قبروں کی زیارت کرتے ہیں، اور خود اہلِ قبور سے ہی مانگتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو صفتِ ربوبیت میں شرک کرتے ہیں۔

جی ہاں! علامہ مقریزی بھی شافعی ہی ہیں، اور توسل کے مسئلہ میں کس قدر محتاط ہیں دیکھئے کہ آپ تو اہلِ قبور کے طفیل مانگنے کو بھی شرک قرار دے رہے ہیں۔ شاید سعدی صاحب کی نظر علامہ مقریزی کی اس عبارت پر نہیں پڑی ورنہ تلوار لے کر علامہ مقریزی کے پیچھے دوڑ گئے ہوتے۔

یہ توزیادہ تر ان فقہاء کی عبارتیں، وضاحتیں اور فرامین تھے جن کو جناب نے براہِ راست اپنے فعلِ قبیح میں ملوث کرنے کی کوشش کی، جب کہ ''غیر اللہ'' سے مانگنے کی ممانعت اور قباحت کے سلسلہ میں فقہِ شافعی میں قدیم زمانے بلکہ خود امامِ شافعی تک سے کلام موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

چنانچہ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے بانئ مسلک **حضرت امام شافعیؒ** کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''غیر اللہ'' کو مؤثر سمجھنے اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنے والے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اس سلسلہ میں ایک قاعدۂ کلیہ بنادیا ہے۔

آپ ساحر کے بارے میں کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أنه إن وصف ما يوجب الكفر، مثل مااعتقد أهل بابل من التقرب إلى كواكب السبعة، وأنها تفعل ما يلتمس منها فهو كافر

یعنی اگر وہ موجباتِ کفر سے متصف ہو جیسے کہ اہلِ بابل کا عقیدہ تھا کہ وہ ''سات ستاروں'' کا قرب چاہتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ ان ستاروں سے جو کچھ مانگا جاتا ہے وہ اس کو پورا کردیتے ہیں (پس جو بھی یہ عقیدہ رکھے) تو وہ کافر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۴۷)

یہاں حضرت امام شافعیؒ نے قاعدۂ کلیہ کے طور پر یہ صاف بتلا دیا کہ اہلِ بابل ''غیر اللہ'' سے وہ چیزیں مانگتے تھے جو اللہ سے مانگی جاتی ہیں لہٰذا یہ غیر اللہ سے مانگنا ان کے کفر کا سبب ہے۔

تقریباً یہی بات ''ابن الصباغ شافعیؒ'' نے بھی بیان کی ہے کہ ساحرا گران ستاروں کے تقرب کا عقیدہ رکھتا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ان جو چیزیں مانگی جاتی ہیں وہ دیدیتے ہیں تو وہ کافر ہے۔ یہ بات امام رافعیؒ نے العزیز: ۱۱/ ۵۶ پر ان سے نقل کی ہے، نیز ابن حجر مکیؒ نے الاعلام بقواطع الاسلام ص ۱۰۰ پر ان سے نقل کی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔

آپؒ حضور ﷺ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں: ''قد جعل الله بالناس كلهم الحاجة اليهم فى دينهم'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دینی معاملات میں حضور ﷺ کا محتاج بنایا ہے۔

یعنی نبی کی اتباع کئے بغیر اور آپ کے طریقہ پر چلے بغیر اللہ کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا اللہ کی رضا کے لئے نبی کے طریقہ کی ضرورت ہے۔

پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں: '' لله ولرسوله المن و الطول على جميع الخلق، وبجميع الحاجة إلى الله تعالىٰ'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کا پوری مخلوق پہ احسان ہے، اور مخلوق اپنی تمام حاجتوں کے لئے اللہ کی محتاج ہے۔

اب دیکھئے! جب یہ فرمایا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے تو یہاں دینی یا دنیوی کی قید نہیں لگائی، بلکہ عام رکھا، یعنی اپنے تمام معاملات میں اللہ ہی کی محتاج ہے۔ (الام: ۶/ ۲۰۲)

حضرت امام شافعیؒ حضور ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''من أتىٰ قبر النبی ﷺ ثم أراد الدعاء لنفسه يستقبل القبلة ويدعو، ولا يستقبل القبر''

ہم یہاں واضح کرتے چلیں کہ متقدمین (یعنی امام شافعی اور ان کے بعد قریبی لوگوں) کے زمانہ میں انبیاء اور صالحین سے مانگنے کا رواج نہیں تھا، اور کسی کے ذہن میں اس کا خیال بھی نہیں آتا تھا، ہاں! البتہ فرقِ باطلہ ''غیر اللہ'' کی پناہ مانگتے تھے، چونکہ یہ بھی دعا ہی کی ایک قسم ہے، اس لئے علماء وائمہ نے اس پر رد کیا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن خزیمہ شافعیؒ نے اس سلسلہ میں کلام کیا ہے۔ آپ نے پہلے دو روایتیں نقل کیں:

ا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی منزل پر اترے تو یہ جملے پڑھے: ''اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق'' میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کی پناہ لیتا ہوں مخلوق کے شر سے۔

۲۔ ایک شخص کو بچھو نے کاٹ لیا تھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم نے شام کے وقت یہ کلمات ''اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق'' پڑھ لئے ہوتے تو بچھو تمہیں نقصان نہ پہنچاتا۔

یہ دونوں حدیثیں ذکر کرنے کے بعد امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں: اے عقلمندو! کیا یہاں سے یہ بات واضح طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ نبیٔ کریم ﷺ کے فرمان کے بموجب مخلوق کے شر سے بچنے کے لئے مخلوق کی پناہ لینا جائز نہیں۔

کیا تم نے کسی عالم کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں مخلوق کے شر سے کعبہ کی پناہ لیتا ہوں یا میں صفا ومروہ کی پناہ لیتا ہوں، یا میں عرفات ومنیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔

جو بھی اللہ کے دین کا علم رکھتا ہو اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مخلوق کے شر سے بچنے کے لئے مخلوق کی پناہ لے۔

ابن خزیمہؒ کا یہ قول کہ ''کیا تم نے کسی عالم کو یہ کہتے سنا۔۔'' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہلِ حق کا اجماع ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے مانگنا جائز نہیں۔

اور اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ اس زمانہ میں غیر اللہ سے مانگنے کا تصور بھی نہیں تھا، ورنہ ابن خزیمہؒ عرفات و منیٰ کا نام لینے کی بجائے ان چیزوں کا تذکرہ کرکے رد فرماتے۔

امام دارمیؒ کا فرمان ملاحظہ ہو:

''فإنه لا يجوز أن يستعاذ بوجه شيئ غير وجه الله وبكلماته، لايستعاذ بوجه مخلوق'' یعنی اللہ کی ذات اور اس کے کلمات کے سوا کسی بھی چیز اور مخلوق کی پناہ لینا جائز نہیں ہے۔(الرد علی المریسی: ص۵۱۷- ۵۱۸)

امام بیہقی شافعیؒ جو مشہور محدث اور شافعی فقیہ ہیں، اور جن کے فقہِ شافعی پر بڑے احسانات ہیں فرماتے ہیں: ''ولا يصح أن يستعيذ بمخلوق من مخلوق''

یعنی کسی مخلوق کے شر سے بچنے کے لئے مخلوق کی پناہ لینا جائز نہیں ہے۔

الاسماء الصفات: ۴۷۶

یہ وہی امام بیہقی ہیں جن کے تعلق سے امام غزالی کے استاد اماالحرمین فرماتے ہیں کہ ہر شافعی پر امام شافعیؒ کا احسان ہے، سوائے امام بیہقی کے امام بیہقی کا امام شافعیؒ پر احسان ہے۔

امام بغوی شافعیؒ فرماتے ہیں: ''ولم يكن النبي ﷺ يستعيذ بمخلوق من مخلوق'' کہ نبی کریم ﷺ مخلوق کے شر سے بچنے کے لئے مخلوق کی پناہ نہیں لیتے تھے۔

(شرح السنۃ: ۱/ ۱۸۵)

اور امام خطابی شافعیؒ نے بالکل واضح انداز میں ارشاد فرمایا ہے: کہ اللہ اور اس کی صفات کے علاوہ کسی بھی چیز کی پناہ نہیں جاسکتی، اس لئے کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کی صفات تمام اور کمال سے متصف ہیں، اور ہر مخلوق میں نقص ہے۔

مزید فرمایا: مخلوق کی پناہ لینا یہ شرک ہے اور خالق کی توحید کے منافی ہے۔

دیکھئے: العقد الثمین للسویدی: ۲۲۵

واضح رہے کہ استعاذہ بھی مدد مانگنے اور دعا ہی کی ایک قسم ہے۔

امام اصبہانی شافعی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ'' کے ناموں میں ایک نام ''وہاب'' ہے وہ عافیت دیتا ہے، قوت دیتا ہے، اور مخلوق یہ چیز دینے پر قادر نہیں ہے، لہٰذا یوں کہو: اے میرے رب مجھے عافیت دے، کسی مخلوق سے سوال نہ کرو، اگر مخلوق سے سوال کروگے بھی تو وہ دینے پر قادر نہیں ہے۔ (الحجۃ فی بیان المحجۃ: ۱/ ۱۴۴)

پھر امام اصبہانیؒ ''خلق افعال العباد'' کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: ''انك لا تهدی من احببت ولٰكن الله يهدی من يشاء'' پر باوجود جب آپ کو ہدایت پر قدرت نہیں دی تو دیگر مخلوق تو آپ سے بہت کم درجہ اور عاجز محض ہے۔

(الحجۃ فی بیان المحجۃ: ۲/ ۴۱۴ — ۴۱۵)

امام شہرستانی فرماتے ہیں: ''القوم لما عكفوا على التوجه إليها، كان عكفوهم ذلك عبادة، وطلبهم الحوائج منها اثبات الهية لها''

یعنی بت پرست اپنے بتوں کو گلے لگا کر بیٹھ گئے، تو ان کا ان بتوں کو اس طرح ماننا ان کی عبادت کرنا تھا، اور ان بتوں سے اپنی ضرورتوں کو مانگنا ان کے لئے ''الٰہیت'' یعنی معبودیت کو ثابت کرنا تھا۔ الملل والنحل: ۲/۲۵۹

امام سویدی فرماتے ہیں: جو شخص اللہ کے علاوہ کسی کی پناہ لیتا ہے تو وہ اللہ کو چھوڑ کر جس کی پناہ لیتا ہے تو اس کو اپنا ولی اور اپنا ناصر بنالیتا ہے۔۔۔

پھر فرمایا: جن مصیبتوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی دور کر سکتا ہے ان مصیبتوں میں "غیر اللہ" کی پناہ لینا یہ شرک ہے۔ العقد الثمین: ۲۲۵

امام فخر الدین رازی شافعیؒ "ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فان فعلت فانك من الظالمين" (یعنی اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو نہ پکارو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔ کی تشریح میں فرماتے ہیں: اگر تم نفع یا نقصان کے سلسلہ میں غیر اللہ کو پکارو گے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔)

علامہ حلیمی شافعیؒ فرماتے ہیں: "الله هو المعبود دون رسوله ، وهو المرغوب إليه والمرهوب منه دون من سواه"

المنہاج فی شعب الإیمان: ۱/ ۲۳۸

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے نہ کہ رسول، (یعنی رسول معبود نہیں) اور اللہ ہی کی طرف رغبت کی جاتی ہے، اور اسی سے ڈرا جاتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ سے۔

امام ابو شامہ شافعیؒ متوفی ۶۶۵ھ اپنی کتاب "الباعث على انكار البدع والحوادث" ص ۱۱۰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ثم ان غالب هذه الاحتفالات بالمواد مع كونها بدعة لاتخلو من اشتمالها علىٰ منكرات أخرى ، كاختلاط النساء بالرجال ، واستعمال الأغانى والمعازف ، وشرب

المسكرات والمخدرات وغير ذلك من الشرور ، وقد يقع فيها ماهو اعظم من ذلك وهو الشرك الأكبر وذلك مايغلو فى رسول الله ﷺ أو غيره من الأولياء ودعائه والإستغاثة به وطلبه المدد واعتقاد أنه يعلم الغيب ونحو ذلك من الأمور الكفرية التى يتعاطاها الكثير من الناس

یعنی اس طرح کی (ممنوع) محفلوں میں ان کے بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ مزید خرابی یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر منکر (یعنی شرعاً ناجائز) امور بھی پائے جاتے ہیں، جیسے: عورتوں اور مردوں کا میل جول، گانے بجانے اور نشہ آور چیزوں کا استعمال وغیرہ شر کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اور بسااوقات اس سے بھی خطرناک چیز پائی جاتی ہے، **جوکہ "شرکِ اکبر" ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی بسااوقات رسول اللہ ﷺ کی ذات یا دیگر اولیاء کی شان میں غلو کرکے ان سے دعا مانگتا ہے، ان سے استغاثہ کرتا ہے، ان سے مدد طلب کرتا ہے**، اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، یہ اور ان جیسی دیگر کفر کی باتیں جن میں بہت سے لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔

یہ امام ابو شامہ شافعیؒ ہیں جو امام نوویؒ کے ہم عصر ہیں، جن کے تعلق سے علامہ تاج الدین فنزاری فرماتے ہیں کہ: آپ اجتہاد کے درجہ کو پہنچ گئے تھے، اور جن کو طبقات ابن شہبہ میں الفقیہ، المقری، النحوی، المحدث کے القاب سے نوازا گیا ہے۔ آپ نے اس عبارت

میں واضح طور پر بیان فرمادیا کہ اللہ کے علاوہ کسی سے بھی (حضور ﷺ سے یا دیگر اولیاء سے) مانگنا اور ان کو عالم الغیب سمجھنا یہ شرکِ اکبر ہے۔ اب امام فخر الدین رازی شافعیؒ کا فرمان سنئے!

آپ اللہ تعالیٰ کے قول "و إذا سألك عبادى عنى فإنى قريب، اجيب دعوة الداع إذا دعانى" کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

قال: كأنه سبحانه تعالىٰ يقول: عبدى أنت إنما تحتاج إلى الوساطة فى غير ذلك الدعاء أما فى مقام الدعاء فلا واسطة بينى و بينك فأنت العبد المحتاج و أنا الإلٰه الغنى

لوامع البينات شرح أسماء الله تعالىٰ والصفات للفخر الدين رازى: ص۵۹-۶۰

فرمایا: گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے تو واسطوں کا محتاج اس وقت ہے جب دعا میں مشغول نہ ہو، بہر حال جب تو دعا کرتا ہے تو تیرے اور میرے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، تو بندۂ محتاج ہے اور میں معبودِ غنی ہوں۔

امام ذہبی شافعیؒ "السیدہ نفیسہ" کے ترجمہ میں بیان فرماتے ہیں:

ولجهلة المصريين فيها اعتقاد يتجاوز الوصف، ولا يجوز مما فيه من الشرك، ويسجدون لها،

ویلتمسون منها المغفرة، و كان ذلك من دسائس العبيديه

"یعنی اس عورت کے سلسلہ میں مصر کے جہلاء کا عقیدہ ناقابل بیان ناجائزاور شرکیہ حدود میں داخل ہو گیاہے، وہ اس کو سجدہ کرتے ہیں، اوراس سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور یہ سب بنو عبید کے فرقہ باطنیہ کے داعیین کا دجل اور دسیسہ کاریاں ہیں۔

دیکھئے! امام ذہبی شافعیؒ بھی کسی انسان سے گناہوں کی معافی چاہنے کو "شرکیہ" کاموں میں شمار کررہے ہیں۔

قرانِ کریم میں کفار کو جنہیں پکارنے سے روکا گیاہے ان سے صالحین اور انبیاء مراد ہیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ‌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيۡقَةٌ‌ ؕ كَانَا يَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ‌ ؕ اُنْظُرۡ كَيۡفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرۡ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۷۵﴾ قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَـكُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا‌ ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۷۶﴾ سورہ مائدہ:۷۵-۷۶

مسیح ابن مریم صرف ایک پیغمبر تھے، ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے، اور ان کی ماں بہت راست باز تھیں، دونوں کھانا کھاتے تھے، (انسان تھے، انسانی ضروریات پوری کرتے تھے۔) ذرا دیکھئے! ہم ان کے لئے کتنی وضاحت سے بات کرتے ہیں، پھر بھی یہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، جو تمہارے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں، اور اللہ ہی خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

امام فخر الدین رازی شافعیؒ اور دیگر مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ ان آیتوں میں نصاریٰ کا رد ہے، کہ جب حضرت عیسیٰ و مریمؑ خود محتاج ہیں دوسروں کے نفع نقصان پر قادر نہیں تو تم ان کی عبادت کیسے کرتے ہو۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾

سورہ بنی اسرائیل: ۵۶۔۵۷

ان سے کہیے کہ جن کے بارے میں خدائی کا دعویٰ ہے ان کو پکارو، وہ تمہاری تکلیفوں نہ دور کر سکتے ہیں، نہ صورتحال میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں، جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کون اس کا

قرب حاصل کرے، اور اس کی رحمت کی امیدیں لگاتے ہیں اور اس
کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تمہارے رب کے عذاب سے
ڈرنا چاہیے۔

امام فخر الدین رازی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں (جن کو پکارنے پر ڈانٹ پلائی گئی ہے ان سے) ''بت'' مراد نہیں ہیں، بلکہ ملائکہ مراد ہیں، جن کو کفارِ مکہ پکارتے تھے، یا ایک قول کے مطابق حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں، جن کو یہود و نصاری پکارتے تھے، یا جنات مراد ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

ان الالٰہ المعبود ھو الذی یقدر علی ازالۃ الضرر وایصال المنفعۃ وھٰذہ الأشیاء التی یعبدونھا، وھی الملائکۃ والجن والمسیح و عزیر، لایقدرون علی کشف الضرر ولا علی تحصیل النفع

یعنی معبود تو وہ ہوتا ہے جو نقصان کے ازالہ اور منفعت کے پہنچانے پر قادر ہو، اور یہ چیزیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں یعنی ملائکہ، جن، مسیحؑ اور عزیرؑ یہ نہ تو نقصان کو دور کرنے پر قادر ہیں اور نہ ہی نفع پہنچانے پر۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآنِ کریم میں ''ادعوا'' کے الفاظ ہیں جس کے معنی پکارنے اور دعا کے ہیں، لیکن امام رازی نے تفسیر میں اس کا ترجمہ ''عبادت'' سے کیا ہے

معلوم ہوا کہ امام رازی کے نزدیک بھی دعا عبادت ہے، اور جس طرح عبادت اللہ کے علاوہ کی جائز نہیں اسی طرح دعا بھی اللہ کے علاوہ کسی سے کرنا جائز نہیں، بلکہ کفر و شرک ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں مقامات پر کفار کو جن کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے ان سے بت مراد نہیں بلکہ صالحین مراد ہیں، حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ، حضرت عزیرؑ حضراتِ ملائکہ یہ سب صالحین میں سے ہیں، ان کو پکارنے اور ان سے دعا کرنے سے بھی روکا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، اور امام رازی کی عبارت سے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ ان صالحین کو پکارنا یہ ان کی عبادت کرنا ہے۔(اور عبادت اللہ کے علاوہ کسی کی بھی کرنا شرک ہے، تو یہ بھی شرک ہو گیا۔)

امام فخر الدین رازی کی ایک اور تحریر دیکھئے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الا للہ الدین الخالص ۚ والذین اتخذوا من دونہ أولیاء،

ما نعبدھم إلا لیقربونا إلی اللہ زلفیٰ سورۃ الزمر:۳

سنو! خالص عبادت اللہ ہی کے لئے ہے، جو لوگ اس کے سوا اوروں کو حاجت روا بناتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہم کو درجہ میں اللہ کے قریب کردیں۔

یعنی کفار غیر اللہ کی عبادت اپنے اس عقیدہ کی بناء پر کرتے تھے کہ ان کے یہ معبودان کو اللہ سے قریب کردیں گے، اس کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں:

کفار جن کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے ان سے مراد کون ہے ؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بت مراد ہوں، لیکن زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ اور ملائکہ مراد ہیں، جن کی یہود و نصاریٰ اور مشرکین عبادت کیا کرتے تھے، اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ حضرات اللہ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے۔

دیکھئے تفسیر سورہ زمر آیت ۴۔

جی ہاں ! اس آیت کا مصدق (علی الألیق) یہ صالحین ہی ہیں جنکو کفار نے اپنا معبود بنا لیا تھا، اور یہی چیز ان کے کفر کا سبب تھی، اور اسی پر ان کی مذمت کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

حالانکہ کفار ان صالحین کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اللہ کی بارگاہ میں اپنا سفارشی اور ذریعۂ ثواب خیال کرتے تھے، اس کے باوجود اس کو شرک کہا گیا۔

امام نوویؒ اور امام بخاریؒ کی طرف غیر اللہ سے مانگنے کی نسبت اور اس کی حقیقت

امام نوویؒ کی اہمیت اور آپ کے علمی مقام سے شاید مولوی سعدی بھی واقف ہیں، اور شاید جانتے ہیں کہ فقہ شافعی میں آپ کی بات سند کی حیثیت رکھتی ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی بات کی تائید میں امام نوویؒ کا نام لینا ضروری سمجھا۔ لہٰذا اب امام نوویؒ اور اپنی بات میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے حضرت امام بخاریؒ کی طرف بھی اس گمراہی کی نسبت

کردی(العیاذ باللہ) اور پھر اس کے لئے ایسے بچکانہ استدلالات کئے، اور خیانتِ علمی کا وہ طوفان اٹھایا جس کی ایک عالمِ دین سے توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

موصوف کی ان حرکتوں پر ہمیں ان پر افسوس تو نہیں ہے اس لئے کہ یہ ان کے اسلاف سے ان کو ملنے والی میراث ہے، البتہ محترم پر رحم ضرور آیا کہ یہ بیچارہ سعدی غریب؛اپنی بات ثابت کرنے کے لئے کیا کیا حرکتیں کرنے پر مجبور ہے۔

چنانچہ ص ۲۱ پر ذکر کرتے ہیں:

"اس سلسلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث مشہور و معروف ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے پیر کے سُن ہونے پر حضور ﷺ کو پکارا اور آپ ﷺ سے مدد مانگی۔ یہ حدیث امام بخاری رضی اللہ عنہ متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی کتاب "الادب المفرد، ص ۱۴۲" پر نقل فرمایا ہے۔ حدیث کو درج کرنے سے پہلے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے یوں باب باندھا ہے:" مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ"یعنی ایک شخص اپنے پیر کے سُن ہونے پر کیا کہے۔ اس حدیث کو مسلک شافعی کے مشہور عالم علامہ سخاوی علیہ الرحمۃ نے بھی اسی طرح کے عنوان کے تحت اپنی کتاب القول البدیع صفحہ ۴۴۴ میں نقل فرمایا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مصیبت و تنگی میں حضور ﷺ کو پکارنے اور آپ سے مدد مانگنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مصیبت کے وقت حضور ﷺ کو پکارا اور آپ ﷺ سے مدد مانگی۔ اگر مصیبت و تنگی میں حضور ﷺ کو پکارنے اور حضور ﷺ سے مدد مانگنے میں کوئی قباحت ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کیوں کرتے؟اور امام بخاری رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو اپنی کتاب میں کیوں نقل فرماتے؟ مندرجہ بالا واقعہ کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے نقل ہی نہیں فرمایا بلکہ اس واقعے کو نقل

کرنے سے پہلے باب کے عنوان سے یہ درس بھی دیا کہ مصیبت و تنگی میں رسول اللہ ﷺ کو پکارا جائے اور آپ ﷺ سے مدد طلب کی جائے۔"

جواب

پتہ نہیں کیوں موصوف نے اس قدر طویل کلام تو کیا، تقریباً پورا صفحہ سیاہ کر ڈالا، مگر حدیث کے الفاظ کو ذکر کرنا گوارہ نہیں کیا، ہم آپ کے سامنے حدیث پاک کے الفاظ ذکر کرتے ہیں:

عن عبدالرحمن بن سعد قال: خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل اذكر احب الناس اليك فقال يا محمد	عبدالرحمن بن سعد فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر کا پیر سن ہو گیا تو حاضرین میں سے کسی نے کہا: اپنے محبوب شخص کو یاد کیجئے، تو آپ نے فرمایا: یا محمد۔

سعدی صاحب نے حدیث کے الفاظ ذکر نہیں کئے، شاید اس لئے کہ ان الفاظ سے ان کے دعوی پر استدلال ممکن ہی نہیں ہے، جی ہاں! ان الفاظ سے "غیر اللہ" سے مدد مانگنے کو ثابت کرنا ایسا ہی ہے جیسے سوال عیسیٰ جواب موسیٰ۔

سعدی موصوف کی بات کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں "اذكر احب الناس" کے الفاظ ہیں، "ادع" کے الفاظ نہیں، اور اذکر کے معنی "یاد کرنے" کے ہوتے ہیں، دعا کے نہیں، یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر سعدی صاحب نے حدیث کے الفاظ ذکر نہیں کئے، اہل علم بتلائیں کیا یہ خفیہ خیانت نہیں ہے؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ ویسے بھی یہ مجمع میں سے کسی کا قول ہے کہ اذکر احب الناس

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ اگر حضور ﷺ کو پکارنا ہوتا تو آگے مدد کے الفاظ ضرور کہتے، صرف ''یا محمد'' کہہ کر خاموش نہ ہو جاتے۔

اس سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اگر حضرت ابن عمر کو پکارنا مقصود ہوتا تو ''یا محمد'' کہہ کر ہرگز نہ پکارتے بلکہ ''یارسول اللہ'' فرماتے، اس لئے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کو ''یا محمد'' کہہ کر کبھی خطاب نہ کرتے تھے، خود اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے: ''لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا''یعنی ''جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو (نام لے کر) پکارتے ہو ویسے رسول کو نہ پکارو''

ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حیات میں جب صحابہ کرام آپ سے کوئی بات عرض کرتے تو ''یارسول اللہ'' کہہ کر عرض کرتے نہ کہ ''یا محمد''۔

اب یہاں حضرت ابن عمر ''یا محمد'' کہہ رہے ہیں تو کیا آپ ﷺ کا نام لے کر خطاب کریں گے؟ پس حضرت ابن عمر کا یہ کلام آپ کو پکارنا اور آپ سے مدد مانگنا نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک طریقہ علاج ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سندا بھی کافی ضعیف ہے، اس کی کوئی بھی سند جرح سے خالی نہیں۔

چنانچہ اس کی ایک سند میں ''ابو شعبہ'' نام کے راوی ہیں جو ضعیف ہیں، امام دار قطنیؒ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں ''متروک''ہیں۔(میزان الاعتدال ص۳۶۴، لسان المیزان ص۳۹۴)

اس کی دوسری سند میں ''محمد بن مصعب''ہیں جن کے بارے میں امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں، امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ: ضعیف ہیں، خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ''وہ بکثرت غلطیاں کرتے تھے''۔ عبداللہ بن سیار فرماتے ہیں کہ ''ضعیف''ہیں۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں: ان سے احتجاج صحیح نہیں۔ (تہذیب ۴۵۹/۹، میزان ۱۲۷/۳)

تیسری سند میں ''زہیر بن معاویہ عن ابی اسحٰق'' ہیں۔ زہیر اگرچہ ثقہ ہیں لیکن محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کی جو روایت ابو اسحٰق کے طریق سے ہوگی وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ''تقریب'' ص ۱۳۰ پر، علامہ ذہبی نے ''میزان'' ۳۵۵/۱ پر اور امام ابو حاتم نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ دیکھئے: تہذیب ۳۵۲/۳۔

ایسے اہم مسائل میں ایسی کمزور روایت سے استدلال تو سعدی صاحب جیسے حضرات ہی کر سکتے ہیں۔

قارئین! آپ نے دیکھ لیا کہ یہ روایت سنداً بھی ضعیف، اور اس سے استدلال بھی غلط ہے۔ اب ذرا ملاحظہ فرمائیں ''حضرت'' نے یہاں پر کیا کیا کارنامے انجام دیے ہیں:

پہلا کارنامہ

آنجناب نے یہاں امام بخاری کا نام بھی پیش کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والوں پر رعب پڑ سکے (اور بھولی بھالی عوام کو دھوکہ دیا جاسکے) حالانکہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حدیث ''بخاری شریف'' کی نہیں ہے، بلکہ امام بخاری کی دوسری کتاب ''الادب المفرد'' کی ہے۔ اور ''الادب المفرد'' میں ایک دو نہیں، کئی روایتیں ضعیف ہیں، اور انہی ضعیف روایتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اب محترم کا یہ کلام بھی دیکھ لیں کہ ”امام بخاری کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جنہوں نے ابن عمر کے واقعہ کو پیش کرنے کے بعد مصیبت و تنگی میں حضور ﷺ کو پکارنے اور مدد مانگنے کی تلقین کی ہے۔“

اس عبارت کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے، **کذب وافتراء اور جھوٹ و تہمت کی بدترین مثال اگر کسی کو دیکھنی ہو تو سعدی کی اس عبارت کو دیکھ لے۔** یہاں انہوں نے صاف لکھ دیا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد مصیبت و تنگی میں حضور ﷺ کو پکارنے اور آپ سے مدد مانگنے کی تلقین کی ہے۔

یہ امام بخاریؒ پر صریح تہمت اور جھوٹا الزام ہے، امام بخاریؒ نے اس حدیث کے بعد ایسی کوئی بات سرے سے لکھی ہی نہیں ہے، یہ ایک ایسا الزام اور جھوٹ ہے جو لوگوں کا سعدی صاحب پر سے اعتبار اٹھا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ”ایمان اور جھوٹ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔“ (مسند احمد: ۸۵۹۲)

اب خود امام بخاریؒ کیا فرماتے ہیں دیکھئے، آپ کی مشہور کتابوں میں سے ایک کتاب ”خلق افعال العباد“ بھی ہے، اس میں آپ ص۹۶ پر رقمطراز ہیں: ”باب ما كان النبي ﷺ يستعيذ بكلمات الله لا بكلام غيره وقال نعيم لا يستعاذ بالمخلوق“

فرماتے ہیں: ”یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے کلمات کے ذریعہ پناہ طلب کرتے تھے، کسی اور کے کلام سے نہیں، نعیم (بن حماد) فرماتے ہیں کہ: کسی بھی مخلوق کی پناہ نہیں لی جا سکتی۔“

اب اس سے زیادہ واضح اور کیا چاہیئے کہ امام بخاری بھی صاف اعلان کرتے ہیں کہ صرف اللہ ہی کی پناہ لی جائے گی۔ نیز امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: ''باب السؤال باسماء الله و الاستعاذة بها'' اس باب کے تحت شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ نے اس باب میں ۹ احادیث ذکر کی ہیں، سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ناموں سے تبرک حاصل کرنے، اسی سے مانگنے، اسی کی پناہ لینے کے بارے میں ہیں۔ (فتح الباری ۱۳ /۴۶۴)

سعدی صاحب کا دوسرا کارنامہ

سعدی صاحب رقم طراز ہیں: ''حضرت ابن عمر نے مصیبت کے وقت حضور ﷺ کو پکارا اور آپ سے مدد مانگی'' پتہ نہیں سعدی صاحب کو اس حدیث میں ایسا کیا نظر آیا کہ وہ اس طرح کے دعوے کرنے لگے۔ روایت کی سندی حیثیت آپ نے ملاحظہ فرمالی، روایت کے الفاظ بھی دیکھ لئے کہ اس میں ''اذکر'' یعنی ''یاد کرو'' کے الفاظ ہیں، ''ادع'' یعنی ''پکارو'' کے الفاظ نہیں ہیں، اب اگر کسی نے کہا کہ اپنے محبوب کو یاد کرلو اس پر حضرت ابن عمر ''یا محمد'' یا ''وا محمد'' کہیں؛ تو یہ حضور ﷺ سے مدد مانگنا کیسے ہو گیا!

حضرت ابن عمر سے سیکڑوں نہیں، ہزاروں روایتیں مروی ہیں، کوئی ایک حدیث ہی ایسی بتادیں جس میں غیر اللہ کو پکارنے کی اجازت ہو۔ لٰہذا حضرت ابن عمر کی طرف غیر اللہ سے مدد مانگنے کی نسبت کرنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے۔

تیسرا کارنامہ

امام سخاویؒ کی طرف بھی یہی نسبت کر دی، رقم طراز ہیں: ""اس حدیث کو مسلک شافعی کے مشہور عالم علامہ سخاوی علیہ الرحمۃ نے بھی ""اسی طرح"" کے عنوان کے تحت اپنی کتاب ""القول البدیع""، ص ۴۴۴ میں نقل فرمایا ہے""

جواب

یا تو سعدی جی نے امام سخاویؒ کی یہ عبارت پڑھی ہی نہیں ہے، صرف کسی اور کتاب سے حوالہ نقل کر ڈالا، یا پھر انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ کوئی اور اس کتاب کو کھول کر دیکھے گا نہیں۔ اگر امام سخاویؒ کی عبارت پر سرسری نظر ہی ڈال دی جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ امام سخاویؒ نے یہ عبارت پیر سن ہونے کے وقت درود شریف پڑھنے کی فضیلت و برکت کے پس منظر میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

واما الصلوة عليه عند خدر الرجل فرواه ابن السنى من طريق الهيثم ---- كنا عند ابن عمر رضى الله عنه فخدرت رجله فقال له رجل اذكر احب الناس اليك فقال: يا محمد ﷺ- فكانما نشط من عقال

ترجمہ: بہر حال پیر کے سُن ہونے پر درود شریف پڑھنا (مفید ہے) چنانچہ ابن السنی نے اس کو روایت کیا۔۔۔۔۔ اس میں آخر میں درود شریف کا تذکرہ ہے۔ نیز اسی روایت کو ابن السنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: فقال: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (القول البدیع ص ۲۵۵)

آپ نے دیکھ لیا امام سخاویؒ اس روایت سے دعاء یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنے پر ہرگز محمول نہیں کر رہے ہیں جیسے کہ سعدی صاحب کا خیال ہے آپ تو اس بات پر محمول کر رہے ہیں کہ پیر کے سُن ہونے پر درود شریف مفید ہے۔

صرف امام سخاویؒ ہی نہیں، بلکہ فقہ شافعی کے مشہور عام "علامہ ابن حجر مکی" (جن کا نام مولوی موصوف نے بھی ذکر کیا ہے، اور ان کی عبارتوں سے غلط استدلال کی کوشش کی ہے) انہوں نے بھی اس روایت کو اسی معنی پر محمول کیا ہے کہ پیر کے سن ہونے پر درود شریف پڑھنا مفید ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

الفصل السادس فی ذکر امور مخصوصة تشرع الصلوة علی النبی ﷺ فیها --- -الثامن والعشرون عند خدر الرجل جاء عن کل من عمر وابنه وابن عباس رضی الله عنهم ان رجله خدرت فقال له اٰخر اذکر احب الناس الیك فقال الاول یا محمد صلی الله علیك والثانی یا محمد والثالث محمد ﷺ فذهب خدره

ترجمہ: چھٹی فصل ان مخصوص امور کے بیان میں جن میں حضور ﷺ پر درود پڑھنا مشروع ہے۔ (پھر ان امور کو شمار کرتے ہوئے ۲۸ نمبر پر فرماتے ہیں: ۲۸۔ جب کسی کا پیر سن ہو۔ حضرت عمر، ابن عمر اور ابن عباس میں سے ہر ایک کے بارے میں مروی ہے کہ ان کا پیر سُن ہو گیا تھا، تو کسی نے ان سے کہا کہ لوگوں میں آپ کو جو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کا نام لو، تو پہلے (یعنی حضرت عمر) نے کہا "صلی اللہ علیک یا محمد" دوسرے (یعنی ابن عمر) نے کہا "یا محمد" تیسرے (یعنی حضرت ابن عباس) نے کہا "محمد ﷺ"

اسی طرح مشہور شارح حدیث علامہ مناویؒ شافعی نے بھی درود شریف پڑھنا مراد لیا ہے، فرماتے ہیں: شرعت الصلوة علیه عند خدر الرجل۔ یعنی "پیر سُن ہونے پر آپ ﷺ پر درود پڑھنا مشروع ہے۔" (فیض القدیر ۱/۳۹۹)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ یہ بڑے بڑے علماء اس حدیث کا کیا مطلب بیان کررہے ہیں اور سعدی صاحب کیا مطلب بیان کر کے عوام کو گمراہ کررہے ہیں۔

اس مسئلہ کی اصل وضاحت

اصل بات یہ ہے کہ اہل عرب پیر کے سُن ہونے کا علاج اس طرح کرتے تھے کہ اپنے محبوب کو یاد کرلیتے، اس کا نام زبان پہ لے آتے، جس سے یہ ہوتا کہ عشق و محبت کی گرمی کی وجہ سے خون کی گردش تیز ہوجاتی اور سُن والی کیفیت پیروں سے ختم ہوجاتی۔ مؤرخ وادیب علامہ شہاب الدین نویری (م ۷۳۳ھ) نے اپنی کتاب ''نہایۃ الارب فی فنون الادب'' میں اس طریقہ کو بیان کرکے اس کے کئی قصے لکھے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: '' یزعمون ان الرجل اذا خدرت رجله فذکر احب الناس الیه ذھب عنه''یعنی اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ اگر کسی کا پیر سُن ہوجائے تو لوگوں میں جو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کا نام لے لے تو یہ سُن پن ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد ابن عمر کے پیر سن ہونے والا قصہ بھی بیان کیا۔ (۳/ ۱۲۵)

علامہ ابن علان الشافعی امام نووی شافعی کی کتاب ''الاذکار'' کی شرح ''الفتوحات الربانیۃ'' (۶/ ۲۰۰) میں پیر سُن ہونے کے اس طریقہ علاج کے بارے میں ایک شعر پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''یعنی اس محبوب کی محبت ان کے دلوں میں اس طرح راسخ ہوگئی تھی کہ اس کمالِ محبت کی وجہ سے جب اس محبوب کو یاد کرتے تو پیر کے سن ہونے کی تکلیف ختم ہوجاتی تھی۔''

امام ابن سنیؒ۔ جن کے حوالہ سے بھی سعدی صاحب نے ابن عمر کا پیر سُن ہونے والا قصہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے چند سطروں کے بعد مشہور تابعی، محدث وفقیہ امام ابن

سیرینؒ سے اسی قسم کا واقعہ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ابو بکر ہذلی کہتے ہیں کہ میں امام محمد بن سیرین کے پاس پہنچا، ان کا پیر سُن ہو گیا تھا، وہ اپنے پیر پانی میں لٹکائے بیٹھے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

اذا خدرت رجلی تذکرت قولھا۔۔۔۔۔۔فنادیت لبنیٰ باسمھا و دعوت

"جب میرا پیر سُن ہوا تو مجھے اس کی باتیں یاد آگئیں، پس میں نے لبنیٰ کو اس کا نام لے کر پکارا"

کیا خیال ہے سعدی صاحب کا؟ امام ابن سیرین کسی عورت کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں!

اسی طرح مشہور مؤرخ و محدث علامہ بلاذریؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا ایوب اپنے باپ کے پاس پریشان حال بیٹھا تھا، سلیمان نے دریافت کیا کہ بیٹا! بات کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا پیر سُن ہو گیا ہے۔ سلیمان نے کہا: لوگوں میں جو تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کر۔ بیٹے نے کہا: "صلی اللہ علی محمد" (انساب الاشراف للبلاذری ۴۱/۵)

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ دراصل یہ عربوں کے یہاں پیر کے سُن ہونے کا طریقہ علاج تھا، کہ اپنے محبوب کو یاد کر لیا جاوے تاکہ عشق کی گرمی سے بدن کا خون رواں ہو جائے اور پیر کا سُن ہونا ختم ہو جائے۔

اب دیکھئے! بات تھی کیا، اور جناب لے کہاں گئے! اور کس کس کو "غیر اللہ" سے مانگنے کا الزام دے بیٹھے۔!!

چوتھا کارنامہ

فرماتے ہیں: امام نووی ؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں اللہ والوں سے مدد مانگنے کے تعلق سے ابن عمر رضی اللہ عنہما والے واقعہ کو درج کیا ہے جو "الادب المفرد" میں موجود ہے اور اس میں حضور ﷺ کو پکارنے اور آپ ﷺ سے مدد مانگنے کا درس دیا ہے۔

جواب

ہم ما قبل میں بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث کا پس منظر کیا ہے، اس کے الفاظ کیا ہیں، مذکورہ حدیث کے کسی لفظ سے بھی حضور ﷺ کو (بطور دعا) پکارنے اور مدد مانگنے کا ثبوت نہیں ہوتا۔

لیکن آخر کریں کیا؟ آخر کسی طرح امام نووی ؒ کو بھی اس "جھمیلے" میں گھسیٹنا تھا، لہٰذا اس کے لئے سعدی صاحب کے نزدیک امام نووی ؒ کا اتنا "جرم" کافی تھا کہ آپ نے "الاذکار" میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

سعدی صاحب کے نزدیک تو امام نووی ؒ کے "جرائم" کی تعداد کافی طویل ہے، چنانچہ مزید فرماتے ہیں:

اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے بندوں سے مدد مانگنے کے تعلق سے کتاب الاذکار میں یوں باب باندھا ہے: "مایقول الرجل اذا انفلتت دابته" یعنی ایک شخص اپنی سواری کے بھاگ جانے پر کیا کہے اس عنوان کے تحت ایک حدیث کو آپ رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن رسول اللہ ﷺ قال " اذا انفلتت دابۃ احد کم بارض فلاۃ فلیناد یا عباد اللہ احبسوا یا عباد اللہ احبسوا، فان للہ عزوجل فی الارض حاصرا سیحبسہ

ترجمہ: ""حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی شخص کی سوار کسی ریگستان میں چھوٹ جائے تو وہ پکارے کہ اے اللہ کے بندو! (میری سواری) روک دو، اے اللہ کے بندو! (میری سواری) روک دو، اس لئے کہ زمین میں حاصر ہیں اور وہ سواری روک دیتے ہیں" یعنی ویران ریگستان میں سفر کرتے وقت سواری بھاگنے لگے اور سواری مسافر کی گرفت میں نہ آسکے تو سواری کا مالک کیا کرے؟ اس مصیبت اور تنگی میں مسافر کس کو پکارے؟ اور کس سے مدد مانگے؟ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مسافر اللہ کے بندوں کو پکارے اور ان سے مدد مانگے۔""

سعدی صاحب نے پھر امام نوویؒ کے حوالہ سے ان کے شیخ اور خود امام نوویؒ کا ذاتی تجربہ بیان کیا اور پھر آخر میں کہتے ہیں: ""گویا تحفۃ الباری کے مصنف جس کام کو شرک کہہ رہے ہیں حدیث شریف میں اسی کام کے کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے اور امام نوویؒ اور آپ کے شیخ اسی کام کو توحید سمجھتے ہیں۔""

جواب

سب سے پہلے جناب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ نے اس عبارت کے آخر میں کہا ہے ""گویا تحفۃ الباری کے مصنف جس کام کو شرک کہہ رہے ہیں الخ"" تو آخر تحفۃ الباری کے مصنف نے اس کام کو شرک کب اور کہاں کہا ہے؟ ذرا بتلایئے تو سہی!

ظاہر ہے یہ بات صریح بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ امام نووی اور ان کے شیخ اس کام کو ""توحید"" کب قرار دے رہے ہیں؟ یہ تو پہلے سے زیادہ سنگین اور جھوٹا الزام ہے۔

اب آیئے مذکورہ حدیث پاک کا جائزہ لیں۔

جب ہم محدثین کے اصول پر اس حدیث کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ روایت ضعیف ہے، اس لئے کہ یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے، علامہ ہیثمی شافعی لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے۔(مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۳) امام ابن عدیؒ کہتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔(میزان الاعتدال ۳/۱۸۳)امام ابو حاتمؒ کہتے تھے: مجہول ہے۔(لسان المیزان ۶/۶۱)

دوسری سند عتبہ بن غزوان تک پہنچتی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں، لیکن اس سند میں حسب تصریح علامہ ہیثمیؒ "علی ضعف فی بعضھم" بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یزید بن علی راوی کی حضرت عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے۔ لہٰذا یہ روایت حضرات محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔(مجمع الزاوئد ۱۰/۱۳۳)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور ضعیف حدیث سے تو احکام میں بھی استدلال نہیں ہوتا، عقائد میں کیسے ہو گا!

(۳)اس حدیث پاک کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو یہ کہا کرو "اعینوا عباد اللہ" اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

(مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۳ و قال رجالہ ثقات)

تو اس روایت سے مافوق الاسباب (اور اللہ کے ولیوں وغیرہ سے) مدد طلب کرنا کہاں ثابت ہوا؟! بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں ان سے مدد طلب کی گئی ہے، جیسے راستہ میں ہماری گاڑی خراب ہو اور ہم کسی مسافر سے مدد لیں، بعینہ وہی بات یہاں ہے، البتہ اتنا ہے کہ یہاں اللہ کے بندے ہمیں نظر نہیں آرہے ہیں، لیکن ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر پورا یقین ہے کہ وہاں ہیں ضرور! لہٰذا اس سے استدلال کرنا کہ "(غائب) اولیاء" سے مدد مانگنا صحیح ہے؛ یہ سراسر غلط اور بے وقوفی ہے۔

(۴) ذرا ان الفاظ پر بھی غور کیجئے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے باب کیا قائم کیا ہے: "مایقول الرجل اذا انفلتت دابته" یعنی جب کسی کی سواری بھاگ جائے تو کیا کہنا چاہئے، تو جناب یہاں "مایقول" کے الفاظ ہیں، "من یدعو" "کس کو پکارا جائے" کے الفاظ نہیں۔

حافظ ابن حجر پر الزام اور اس کا جواب

پھر اب امام نووی رحمہ اللہ کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کیوں بچیں وہ بھی تو آخر شافعی ہیں، اور فن حدیث میں ان کا بڑا مقام ہے۔ ٹھیک اسی "جرم" کا ارتکاب حافظ ابن حجر نے بھی کیا ہے، یعنی اپنی کتاب "المطالب العالیۃ" میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس "جرم کی سزا" کے طور پر سعدی صاحب نے ابن حجر عسقلانی پر بھی الزام لگادیا کہ آپ نے سواری کے سرکشی کرنے پر اللہ کے نیک بندوں کو پکارنے کا حکم دیا ہے۔ (استغفر الله العظیم)

اب حافظ ابن حجر عسقلانی کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں فرماتے ہیں:
"لا یستعاذ الا بالله او بصفة من صفات ذاته" یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ذاتیہ کے علاوہ کسی چیز کی (مصیبت میں) پناہ نہیں مانگی جاسکتی۔ (فتح الباری ۵۴۶/۱۱)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ان القرآن غیر مخلوق اذ لو کان مخلوقا لم یستعذبها، اذ لا یستعاذ بمخلوق قال الله تعالیٰ فاستعذ بالله وقال النبی ﷺ: واذا استعذت فاستعذ بالله (فتح الباری ۳۸۱/۱۳)

ترجمہ: "قرآن مخلوق نہیں ہے، اگر وہ مخلوق ہوتا تو اس کی پناہ نہیں مانگ سکتے تھے، اس لئے کہ مخلوق کی پناہ لینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، نیز نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جب تو پناہ طلب کرے تو اللہ ہی سے پناہ طلب کر۔"

پناہ طلب کرنا بھی تو "مدد مانگنا" ہی ہے، تو حافظ صاحب نے صاف اعلان کر دیا کہ اس طرح کی مدد مانگنا صرف اللہ ہی سے جائز ہے اور صرف اللہ ہی کی پناہ لے سکتے ہیں۔ جبکہ موصوف سعدی حافظ صاحب پر بھی الزام دھر رہے تھے۔

محترم قارئین! آپ نے تفصیل سے جان لیا ہوگا کہ سعدی صاحب کے ائمہ کرام خصوصا امام نووی پر لگائے گئے الزامات اور تہمتوں کی حقیقت کیا ہے، امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے کہیں ایسا ثابت نہیں ہوتا کہ وہ "غیر اللہ" سے مدد مانگنے کے قائل ہوں۔ والحمدلله علی ذلك

اور امام نوویؒ "غیر اللہ" سے مدد مانگنے کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ نے اپنی مشہور کتاب "ریاض الصالحین" میں اپنی ہاتھوں سے یہ حدیث لکھی اور جس پر عمل کی لوگوں کو دعوت دی ہے: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ

ﷺ کے پیچھے تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے ! میں تجھے چند اہم باتیں بتلاتا ہوں، تو اللہ کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت فرمائے گا، تو اللہ کا خیال رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا، جب تو مانگے تو صرف اللہ سے مانگ، جب تو مدد چاہے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر، اور یہ بات جان لے کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تجھے اس سے زیادہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تجھے کچھ نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔ (ترمذی)

محترم قارئین ! کیا یہ حدیث صراحتہ یہ اعلان نہیں کرتی کہ جب مانگنا ہو تو صرف اللہ ہی سے مانگو، اور جب مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مدد مانگو۔ کیا سعدی صاحب کو یہ حدیث معلوم نہیں یا انہوں نے "ریاض الصالحین" پڑھی نہیں ہے !

کیا ایک طرف امام نوویؒ یہ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ سے مانگو، اور دوسری طرف "غیر اللہ" سے مانگنے کی دعوت دے سکتے ہیں؟

الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے امام نوویؒ کو جو مقام رفیع عطا فرمایا ہے وہ اس بات سے بہت بلند ہے کہ سعدی صاحب اور ان جیسوں کے الزامات سے ان کی ذات عالی متاثر ہو اور ان کی پاکیزہ شخصیت پر کوئی حرف آئے۔

اب ذرا امام نوویؒ کی "الاربعین" کی شرح میں ان کے شاگرد رشید ابن العطار شافعیؒ کیا فرماتے ہیں (بعضوں نے تو یہ شرح امام نوویؒ کی طرف منسوب کی ہے، حتی کہ مطبوعہ نسخہ امام نووی ہی کے نام سے چھپا ہوا ہے، اس صورت میں یہ کلام خود امام نوویؒ کا ہو گا) وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے: فرماتے ہیں: حضور ﷺ کے قول "جب مانگو تو صرف اللہ سے مانگو" میں

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کے لئے مناسب نہیں کہ اس کا دل اللہ کے علاوہ کسی کے ساتھ مشغول ہو، بلکہ اسی پر تمام امور میں توکل کرے۔ پھر فرمایا: "اما سؤال الخلق والاعتماد علیھم فمذموم" بہرحال مخلوق پر اعتماد اور ان سے سوال کرنا تو یہ مذموم اور بری حرکت ہے۔

پھر مزید فرماتے ہیں: "آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول منقول ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے بندے) کیا تو اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کا در کھٹکھٹاتا ہے حالانکہ میرا در کھلا ہے؟ کیا تو مصیبتوں میں میرے علاوہ کسی اور کو پکارتا ہے حالانکہ میں بادشاہ ہوں اور ہر چیز پر قادر ہوں، جو میرے علاوہ کسی اور سے کوئی امید لگائے گا میں اسے لوگوں کے درمیان ذلت کا لباس پہناؤں گا۔" (شرح الاربعین ص ۶۳)

(کیا امام نوویؒ کے شاگرد کی اس وضاحت کے بعد بھی سعدی صاحب اور ان کے ہمنوا امام نوویؒ کی طرف "غیر اللہ" سے استعانت والی بات منسوب کریں گے؟!)

اب ایک نظر یہ بھی دیکھ لیں کہ امام نوویؒ کا اپنا عقیدہ کیا ہے اور اس کے لئے کس طرح کے دلائل سے استدلال کرتے ہیں، امام نوویؒ امام عتبی کا واقعہ (جو آگے آرہا ہے) تحریر کرنے کے بعد پھر آگے فرماتے ہیں: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کا طواف کرنا جائز نہیں۔۔۔۔ اور قبر کی دیوار کو چھونا اور بوسہ لینا مکروہ ہے۔۔۔ اور آجکل کی بہت سی عوام جو ان احکامات کی مخالفت کرتی ہے اس سے دھوکہ میں نہ پڑ جانا، اس لئے کہ اقتداء اور عمل تو احادیث صحیحہ اور اقوال علماء پر ہے۔۔۔"

اور صحیح حدیث میں کیا ہے وہ ابھی ما قبل میں گزر گیا کہ "مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو، مدد طلب کرنا ہو تو صرف اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔"

ایک اور الزام

سعدی صاحب رقم طراز ہیں: اب ذرا یہاں یہ بھی دیکھتے چلئے کہ امام نووی رضی اللہ عنہ نے کس طرح حضور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی قبروں کی زیارت کا ادب اور سلیقہ سکھایا اور توسل واستعانت کی تعلیم دی، آپ رضی اللہ عنہ نے انبیا واولیا سے غیبی مدد کے حاصل ہونے کو یقینی بتانے کے لئے امام عتبی کا ایک مشہور واقعہ بھی نقل فرمایا، جس میں ایک اعرابی اپنے گناہوں کی معافی کے لئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور معافی کا پروانہ لے کر لوٹتے ہیں۔

سعدی صاحب! ہم آپ سے کہتے ہیں کہ یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی سندی حیثیت بھی معلوم نہیں، لیکن آپ خود قرآن تو پڑھتے ہوں گے، تو کیا قرآن کریم کی واضح اور صریح آیتیں آپ کے ضمیر کو نہیں جھنجھوڑتی؟ کیا آپ کو وہ آیتیں نظر نہیں آتیں؟

کیا آپ کا دل ودماغ ان سے متاثر نہیں ہوتا جن میں صراحۃ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے؟

آپ ہر نماز میں بلکہ ہر رکعت میں ''ایاك نعبد وایاك نستعین'' پڑھتے ہیں یعنی ''اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' کیا یہ آیت پڑھتے وقت آپ کو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ آپ کا یہ عقیدہ اس آیت سے ٹکراتا ہے؟

کیا وہ آیتیں آپ نے نہیں دیکھیں جن میں اللہ تعالی نے خود بیان فرمایا ہے کہ ''کفار'' بھی انتہائی مصیبت میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں؟

کیا آپ ان بڑے بڑے علماء امام نووی، حافظ ابن حجر اور امام بخاری وغیرہ کو ان کفار سے بھی بدتر سمجھتے ہیں کہ کفار تو مصیبت میں اللہ کو پکاریں، اور یہ جلیل القدر علماء ''غیر اللہ'' سے مدد مانگنے کا درس دیں! (العیاذ باللہ)

شاید سعدی صاحب یہ سمجھتے ہوں گے کہ انہوں نے صاحب تحفۃ الباری کے متعلق یہ جملے لکھ کر کوئی بہت بڑا تیر مار دیا ہے، حالانکہ یہ ان کی قلت علمی اور جہالت کی علامت ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جس کتاب پر انہیں اعتراض کرنا تھا اس کا مکمل مطالعہ کر لیتے، یا کم سے کم متعلقہ باب ہی دیکھ لیتے۔ اگر ایسا کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ امام نوویؒ کی جس عبارت سے وہ توسل اور استعانت کا درس دینے چلے ہیں وہ صاحب تحفہ اپنی کتاب میں پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں، اگرچہ اس میں استعانت کا کوئی ذکر نہیں ہے (یہ تو سعدی صاحب کا خود ساختہ عقیدہ اور امام نووی پر الزام ہے)۔

چنانچہ صاحب تحفۃ الباری کتاب الحج میں ''زیارت مدینہ منورہ'' کے عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبر اطہر کی زیارت سنت ہے، یہ باتفاق صحابہ کرام وتابعین عظام بڑی قربت اور نیکی ہے۔ (الفقہ المنہجی) حاجی اور معتمر کے حق میں اس کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ دور دراز سے مدینہ منورہ کے اتنے قریب آکر بغیر زیارت کے لوٹ جانا بڑی بری بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی کی جو حد تھی اس میں نماز پڑھنے کی بڑی پابندیاں کرے کہ وہاں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر کا طواف نہ کرے، پشت یا پیٹ قبر کی دیوار (جالی) سے چپکانا شدید مکروہ ہے۔ اس کا ہاتھ

سے مسح اور بوسہ مکروہ ہے۔ بلکہ ادب یہ ہے کہ دور کھڑا رہے، جیسا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں رہتا۔"

پھر چند سطروں کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں: "پھر دوبارہ آپ ﷺ کے قبر اطہر کی طرف آکر اپنے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ چاہے، اور اللہ کے حضور آپ ﷺ کی شفاعت وسفارش چاہے، پھر قبلہ رو ہو کر اپنے اور امت مسلمہ کے لئے مناسب دعائیں کرے۔ (قبلہ رو ہونے میں پشت آپ کی طرف نہ ہو)۔" (تحفۃ الباری ص ۴۱۱-۴۱۲)

آپ نے یہ آخری پیریگراف دیکھ لیا؟ جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا وسیلہ چاہنا اور آپ کی شفاعت وسفارش کی دعا کرنا چاہئے۔

یہی بات امام نوویؒ نے "المجموع" میں بھی لکھی ہے اور "ایضاح المناسک" میں بھی جو حج وعمرہ کے سلسلہ کی مشہور کتاب ہے اور وہی تحفۃ الباری کی عبارت کا اصل ماخذ ہے۔

اسی طرح مولوی موصوف نے امام عتبی والا جو واقعہ بیان کیا ہے تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہ واقعہ بھی صاحب تحفہ ایک جگہ بیان کر چکے ہیں۔ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن علاقہ کوکن کا ایک مشہور اور مؤقر ادارہ ہے، اس ادارہ کا دینی، علمی واصلاحی ترجمان سہ ماہی رسالہ "الہادی" کے نام سے نکلتا ہے۔ الہادی کی جلد نمبر ۳، شمارہ نمبر ۷ میں درسِ حدیث کے نام سے صاحب تحفہ مولانا ابراہیم خطیب صاحب کا ایک مضمون درسِ حدیث کے سلسلہ میں "زیارت مدینہ منورہ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں آپ نے امام عتبی کا یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ اس مضمون کے چند اقتباسات ہم یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ صاحب تحفہ کے ذہن میں حضور پاک ﷺ سے متعلق کتنے عظیم (مگر جائز) خیالات اور جذبات ہیں۔ چنانچہ دورانِ مضمون آپ فرماتے ہیں:

''حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد دنیوی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت ودیدار سے محروم عشاق کی تسلی کا ایک ذریعہ آپ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کے متعلق کچھ پڑھتے چلیں:

علامہ قسطلانیؒ سیرت پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت عظیم ترین قربت ہے، اس طاعت سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں اور اعلیٰ ترین درجات کے حصول کا راستہ ہے۔۔۔۔ ابو عمران الفارسی المالکی نے اسے واجب لکھا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اسے بالاجماع سنت اور مرغب فیہ عمل قرار دیا ہے۔''

امام نوویؒ مناسک حج پر اپنی تصنیف ''الایضاح'' میں رقم طراز ہیں: حج وعمرہ کرنے والے حضرات جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوں تو آپ ﷺ کی تربت کی زیارت کے لئے مدینۃ الرسول ﷺ کا رخ کریں، کیوں کہ یہ اہم ترین قربت ہے۔

علماء کرام نے آپ ﷺ کی زیارت اور اس کی خاطر سفر کی مشروعیت کے لئے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے استدلال کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما (النساء:٦٤)

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں، پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے معافی چاہیں تو ضرور اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

مذکورہ آیت سے استدلال دو باتوں پر مبنی ہے (۱)روایات کی روشنی میں آپ ﷺ اپنی قبر میں باحیات ہیں۔ (۲)احادیث کی رو سے امت کے اعمال آپ ﷺ کے روبرو پیش ہوتے ہیں۔ جب یہ دو باتیں ثابت ہو چکیں تو استدلال کا انداز یہ ہے کہ بفرمان الٰہی جو اپنے نفس پر ظلم ڈھانے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر استغفار کرے، اور حضور اس کے لئے استغفار کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توّاب ورحیم پائے گا، تو یہ قانون احوال واوقات کے اعتبار سے عام ہے، کیوں کہ شرط پر معلق ہے اور آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد بھی آنے والے سے واقف، اس کے صلوۃ وسلام کو سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں، تو یہ زندگی کی کیفیت ہوئی، لہٰذا جب کوئی بندہ استغفار کی درخواست کرے گا تو آپ ﷺ اس کے حق میں استغفار کریں گے۔ امام مالکؒ نے اس مسئلہ کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔''

پھر اس کے بعد صاحب تحفۃ الباری نے امام عتبی والا واقعہ بیان فرمایا ہے، یہ واقعہ ''سبل الھدی والرشاد'' کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں:

''اسی کتاب میں حضرت علی سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی تدفین سے تین دن گزرنے کے بعد ایک دیہاتی آکر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا اور ہم نے سنا، آپ نے اللہ کی طرف سے دین کی باتوں کو اور قرآن کو محفوظ کر لیا اور ہم نے آپ سے سن کر یاد کر لیا اور آپ پر نازل شدہ کلامِ الٰہی میں یہ آیت بھی ہے (پھر مذکور بالا آیت کا حوالہ دیا) اب میں اپنے نفس پر ظلم کرنے کے بعد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میرے لئے استغفار کریں، تو قبر سے ندا آئی تیری بخشش ہو چکی۔

آیت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استغفار کرنے اور آپ ﷺ کے ان آنے والوں کے حق میں استغفار پر دلالت کر رہی ہے اور یہ ایک رتبہ ہے جو موت سے منقطع نہیں ہوا۔ علماء کرام نے اس آیت سے عموم مراد لیا ہے، یعنی آپ کی زندگی اور وفات دونوں حالتیں اس میں داخل ہیں اور آپ ﷺ کی قبر اطہر پر آنے والے کے لئے مذکورہ آیت کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

حضرت جابرؓ ایک مرتبہ سفر سے واپسی پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھو پھر میرے پاس آکر سلام کرو (مالک)۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلے نماز پڑھ لے، پھر زیارت کے لئے حاضر ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے اور قبولیت کی دعا کرے، پھر قبر اطہر کے پاس حاضر ہو، رُخ قبر کی طرف ہو، نگاہ نیچی ہو، ہیبت و جلال کی کیفیت کا غلبہ ہو، دنیاوی تفکرات سے دل بالکل فارغ ہو، جس عظیم الشان ہستی کے رُوبرو کھڑا ہے اس کا احساس واستحضار ہو۔ پھر بڑے ادب کے ساتھ متوسط آواز میں خدمت اقدس میں سلام کا تحفہ پیش کرے۔

نیز ارشاد ہے:

زیارت کے وقت جذبہ محبت کے اظہار میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کرے، اور ہر طرح کی بدعت و خرافات سے خود کو محفوظ رکھے۔ عوام الناس کے غیر شرعی اعمال سے دھوکہ نہ کھائے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کا فرمان ہے: راہِ ہدایت پر چلو، گو کہ اس پر چلنے والے قلیل ہوں، گمراہی کے راستوں سے بالکل کنارہ کش رہو۔ (اس پر چل کر) ہلاک ہونے والوں کی کثرت تم کو دھوکہ نہ دے۔

مزید فرماتے ہیں:

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اپنے دل ودماغ میں وہاں کی عظمت وجلالت کا تصور واستحضار رہے، ہمیشہ یہ پیش نظر رہے کہ یہ وہ مبارک بستی ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کی ہجرت، قیام اور مدفن کے لئے منتخب کیا۔ یہ یاد رہے کہ اس بستی میں ہمیشہ آپ ﷺ کی آمد ورفت اور چلنا پھرنا رہا ہے۔ تقویٰ اور احتیاط کے ساتھ وقت گزار سکتا ہو تو مدینہ منورہ میں زیادہ قیام کی کوشش کرے، اس کے بڑے فضائل وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: جو مدینہ منورہ کی مشقت وشدت پر صبر کرے گا، میں اس کے حق میں بروز قیامت گواہ اور شفیع بنوں گا۔ (صحیح مسلم) نیز فرمایا: جو مدینہ میں مر سکتا ہو، وہ مدینہ میں مرے، کیوں کہ وہاں مرنے والے کے حق میں میں شفاعت کروں گا۔ (احمد وترمذی)

مزید امام نوویؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں داخلہ سے واپسی تک ہمیشہ اس کی تعظیم کا احساس چھایا رہے، اور آپ ﷺ کی ہیبت سے دل ودماغ ایسے متاثر ہوں کہ گویا آپ ﷺ نگاہوں کے سامنے موجود ہوں۔

صاحب تحفہ کا مضمون تو خیر کافی طویل ہے، ہم نے بس چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ روضہ اطہر کی حاضری کے آداب کیا ہیں؟ اور صاحب تحفہ خود اس مضمون کو اپنے قلم سے ''الہادی'' میں تحریر فرما چکے ہیں، اور وہ واقعہ بھی ذکر کر چکے ہیں جس کا ذکر سعدی محترم نے کیا ہے۔

لیکن اس واقعہ سے محض یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ صاحب واقعہ نے اپنے گناہوں کی معافی کے سلسلہ میں حضور پاک ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر آپ سے شفاعت کی درخواست کی ہے۔ اس کے نہ ہم منکر ہیں، نہ امام نوویؒ، بلکہ صاحب تحفہ مولانا ابراہیم

خطیب صاحب نے اپنی کتاب ”تحفۃ الباری“ میں ، اور مزید ”الہادی“ میں اس بات کو مفصلا بیان کیا ہے۔

لیکن سعدی صاحب نے اس سلسلہ میں حد تجاوزی کی اور توسل کے ساتھ استعانت کو جوڑ دیا، مزید امام نووی پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ انہوں نے انبیاء واولیاء سے غیبی مدد کے حاصل ہونے کو یقینی بتانے کے لئے یہ واقعہ بیان کیا! حالانکہ اس پورے واقعہ میں کہیں بھی حضور ﷺ سے (دعاء کے طور پر) مدد مانگنا ثابت نہیں، **اور نبی کریم ﷺ کے علاوہ نہ کسی نبی کا ذکر ہے نہ ولی کا، پھر پتہ نہیں آپ انبیاء واولیاء کے الفاظ کہاں سے لے آئے!**

ممکن ہے چونکہ سعدی صاحب ایسے الزامات لگانے کے عادی ہو چکے ہیں اس لئے ان کے نزدیک امام نوویؒ پر اتنا "چھوٹا سا الزام" کوئی بڑی بات نہ ہو، مگر ہم اسے جرم عظیم سمجھتے ہیں۔

اور آخر میں ہم عرض کرتے ہیں کہ امام نوویؒ اور دیگر فقہاء شوافع کی کسی بھی عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی سے مدد مانگنے کے قائل ہیں، یہ محض سعدی صاحب کی افتراء پردازی ہے، جھوٹے الزامات ہیں، تہمت اور بہتان ہے۔ وہ پاکباز ہستیاں ان الزامات سے یقینا بَری ہیں۔

ہاں! ان میں سے بہت سے حضرات حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرنے کے قائل ضرور ہیں، یا قبر اطہر پر حاضر ہو کر سفارش کی درخواست کرنے کو مانتے ہیں۔ اس کے آگے کچھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نداءالغائب

اس عنوان کے تحت ایک مشہور مسئلہ یہ آتاہے کہ "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے یا نہیں؟

دراصل "یارسول اللہ" کہنے کی کئی شکلیں ہیں،اورسب کا حکم یکساں نہیں ہے۔ذیل میں ان شاءاللہ اسی مسئلہ کو مختصراًواضح کیا جارہاہے۔

ا۔ایک صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر حضور پاک ﷺ کی ذاتِ شریفہ کو مخاطب کرکے آپ پر درودپڑھے،مثلاًیوں پڑھے "الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ۔"

چونکہ آنحضرت ﷺ روضۂ اطہر میں حیات ہیں،ہر حاضر ہونے والے کے سلام کو سماعت فرماتے ہیں اور اس کاجواب مرحمت فرماتے ہیں۔اس لئے وہاں جاکر اس طرح خطاب کرناجائزاور مستحسن ہے۔

۲۔شعراءکااپنے شعر میں "یارسول اللہ" کہنا۔

شعراءکی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے تخیل میں کبھی بادصبا کو خطاب کرتے ہیں، اور کبھی پہاڑوں،جنگلوں،مرغزاروں اور کبھی حیوانات اور پرندوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ اور یہ بات عرب شعراءمیں زیادہ پائی جاتی ہے۔

ان میں سے کسی کاعقیدہ یہ نہیں ہوتاکہ جن کو وہ خطاب کررہے ہیں وہ ان کی بات سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں،بلکہ یہ محض تخیل کی پرواز ہوتی ہے،جس پر حقائق اور واقعاتی

احکام جاری نہیں ہوتے۔ تواس طرح تخیلاتی طور پر اپنے اشعار میں "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے۔ اور ابن حجر مکیؒ کے اشعار میں جو اس طرح خطاب ہے اس کی حقیقت بھی یہی ہے اور یہ جائز ہے۔ بلکہ خود امام شافعیؒ کے اشعار میں اس طرح لفظ "یا" کا استعمال ہوا ہے۔ جیسے:

یا من یعانق دنیا لا بقاء لها　　　　یمسی و یصبح فی دنیاه سفارًا

ائے باقی نہ رہنے والی دنیا کو گلے لگانے والے　　　　صبح وشام اپنی دنیا میں مشغول رہنے والے

کیا خیال ہے سعدی صاحب کا؟ امام شافعیؒ دنیا کو گلے لگانے والے کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔

یا واعظ الناس عما أنت فاعله　　　　یا من یعد علیه العمر بالنفس

ائے لوگوں کو نصیحت کرے والے ایسے کاموں سے جس میں تو خود مشغول ہے۔　　　　اور ائے وہ شخص جس کی سانسوں سے اس کی عمر شمار کی جارہی ہے۔

یا من تعزز بالدنیا و زینتها　　　　الدهر یأتی علی المبنی و البانی

ائے دنیا اور اسکی زیب وزینت سے عزت پانے والے　　　　زمانے (کے حوادث) بانی اور مبنی پر آرہے ہیں (تعمیرات اور تعمیر کرنے والے پر)

آپ خود بتلائیں کہ کیا امام شافعیؒ دنیا کے طالب کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں، یہاں کوئی متعین مخاطب ہے ہی نہیں، بلکہ ایک خیالی مخاطب ہے، جیسے کہ شعرا کی عادت ہوتی ہے۔

اور یہ تو ان اشعار میں سے چند اشعار پیش کئے گئے ہیں جن میں "یا" کی صراحت کے ساتھ خطاب ہے، اور بغیر "یا" کے خطاب تو امام شافعیؒ کے اشعار میں کافی زیادہ ہے۔

اردو میں اس کی مثال دیکھ لیں! شاعر کا قول ہے:

اے صبا تو ہی مجھ پر یہ احسان کر — مجھ کو بے کس غریب الوطن جان کر

اے خدا کے لئے لے کے طیبہ کو چل — دل جدائی سے بے حد پریشان

اسی طرح ایک اور شعر ہے:

اے ابرِ کرم ذرا تھم کے برس۔۔۔

تو کیا یہ کہا جائے گا کہ شاعر بادِ صبا اور ابرِ کرم کو مدد کے لئے پکار رہا ہے، اور ان سے دعا کر رہا ہے؟؟

اسی طرح اگر کوئی نابینا شخص کسی کو پکارتا ہے کہ ''ہے کوئی جو میرا ہاتھ پکڑے'' تو جناب یہ تو استغاثہ اور دعا نہیں ہے۔

★ ہم اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ ''یا'' کے ذریعہ خطاب کا مطلب ہر جگہ یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب سن رہا ہے، جیسے یا أیھا الذین اٰمنوا!، یا أیھا الناس! قرآنِ کریم میں ہے، تو کیا جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوا اور قرآن حضور ﷺ پر اترا، تو اسی وقت ہر کسی نے بلکہ پوری امت اور انسانیت نے سن لیا؟؟ اور امام شافعیؒ نے جس وقت اشعار کہے ''واعظِ ناس'' اور ''طالبِ دنیا'' نے اسی وقت سن لئے؟؟

الغرض! اس طرح اشعار کے خطاب میں استغاثہ مراد نہیں ہوتا، (ہاں! البتہ مسئلہ اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب عقیدہ میں بگاڑ ہو، اور نیت میں فساد ہو، اور مخاطب کو حاضر وناظر سمجھ کر پکارا جائے، جیسے کہ آگے آرہا ہے۔)

۳۔ ایک صورت یہ ہے کہ جس طرح عُشاق اپنے محبوبہ کو خطاب کرتے ہیں، اسی طرح حضور ﷺ کو محض اظہار محبت کے لئے خطاب کیا جائے، واقعۃً پکارنا مقصود نہ ہو۔

پس جو عشاق اس انداز و کیفیت میں حضور ﷺ کو پکاریں اور عقیدہ میں فساد نہ ہو، یعنی وہ یہ عقیدہ نہ رکھتے ہوں کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، تو ان کے لئے اس طرح پکارنا جائز ہے۔

۴۔ کوئی شخص اس نیت سے "یا رسول اللہ" کہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی بات ہر جگہ سنتا ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر شخص کی بات سنتے ہیں۔

یہ عقیدہ سراسر غلط اور قرآن و حدیث کی تصریحات کے صریح خلاف ہے۔ عوام تو حدود کی رعایت بہت ہی کم کرتی ہے، اسلئے اس چیز میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ "التحیات میں جو السلام علیك ایھاالنبی۔" ہے وہ اس عقیدہ پر مبنی نہیں کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے۔

عقیدہ قرآنی اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا

اس عنوان کے تحت سعدی صاحب فرماتے ہیں:

''انبیاء واولیاء ہماری مدد کرتے ہیں، یہ عقیدہ قرآنی آیت سے بھی واضح ہے۔ اللہ جل مجدہ نے فرمایا: انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم رٰکعون

ترجمہ: تمہارے مدد گار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکٰوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسر شہیر امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس آیت میں جو لفظ ولی ہے اس کا معنی ''مدد گار'' ہے۔ چنانچہ فرمایا۔۔۔ جو بھی انصاف سے کام لے گا

اور تعصب کی عینک کو اتار کر آیت کریمہ کے سیاق وسباق میں
غور کرے گا تو اسے یہ یقین حاصل ہو جائے گا کہ اللہ تبارک
وتعالیٰ کے قول ''انما ولیکم اللہ'' میں جو لفظ ولی ہے وہ ناصر
ومحب ہی کے معنیٰ میں ہے۔''

سعدی صاحب کی تحریر یہاں ختم ہوئی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آنجناب نے یہاں عنوان کیا قائم کیا ہے ''عقیدہ قرآنی اور اولیاء سے مدد مانگنا'' اور اس کے ذیل میں اس آیت کو اور اس کے ترجمہ کو ذکر کیا۔

ہونا تو چاہئے تھا کہ اُن کو وہ صریح آیتیں نظر آتیں جن میں صراحۃ ''غیر اللہ'' سے مانگنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن جناب نے یہ آیت پیش فرمائی۔

یہاں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ سعدی صاحب کا معاملہ صرف کم علمی ہی کا نہیں ہے، بلکہ کم عقلی وکج فہمی کا بھی ہے۔ زیر بحث مسئلہ تھا ''اللہ کے علاوہ کسی سے مدد مانگنا'' یا سعدی صاحب کے الفاظ میں ''اولیاء اللہ سے مدد مانگنا'' اور موصوف نے استدلال میں یہ آیت پیش فرمادی، جس کا اس مسئلہ سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں، مگر اس قسم کے لوگوں کو تو ایسے ہی استدلالات سوجھتے ہیں، واضح اور صریح آیات اور احادیث نظر نہیں آتیں۔

آیئے اب ذرا جناب کے استدلال کا جائزہ لیں:

(۱) سعدی صاحب نے انما ولیکم اللہ ورسولہ۔۔۔ میں ولی کا ترجمہ ''مددگار'' سے کیا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ کرنے والے تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ

''دوست'' سے کیا ہے (اور اطلاعاً عرض ہے کہ بریلویوں کے پیش رو و مقتدیٰ احمد رضا خان صاحب نے بھی اس آیت کے ترجمہ میں ''دوست'' ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، نیز احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ پر لکھے گئے حاشیہ میں مولانا سید نعیم الدین صاحب نے بھی ''دوست'' کا ترجمہ مان کر ہی تفسیر کی ہے، آپ ذرا اس کا مطالعہ کر لیں۔)

★ دیکھئے! ''اولیاء اللہ'' یعنی اللہ کے دوست، کوئی بھی اس لفظ کا ترجمہ ''اللہ کے مددگار'' نہیں کرتا! بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ ''اللہ کے دوست'' ترجمہ ہے۔

اگر آیت کے پس منظر پر غور کریں تو امام رازی سمیت تمام مفسرین نے اس آیت کا تعلق اس رکوع کی پہلی آیت سے قائم کیا ہے، جس میں یہ حکم ہے: یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود و النصاری اولیاء بعضھم أولیاء بعض یعنی ''اے مومنو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہیں۔'' پھر کسے دوست بنائیں؟ تو فرمایا: انما ولیکم ۔۔۔ کہ تمہارا دوست تو اللہ ہے، رسول ہیں، جمیع مؤمنین ہیں۔

یہ آیت کا صحیح مفہوم ہے، اور امام رازی سمیت تقریباً تمام ہی مفسرین نے اسی کی نشاندہی کی ہے۔ اب اگر سعدی صاحب کے خیال کے مطابق ولی کا مطلب یہ لیں کہ اس سے مدد مانگنا جائز ہے، تو یہاں تو یہود و نصاریٰ کو اولیاء کہا گیا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو آپس میں ایکدوسرے سے دعا کرنے کی اجازت دی ہے؟

(۲) دوسری بات یہ کہ اگر ''ولی'' کو مددگار کے معنی میں بھی لیں تو اس کا کسے انکار ہے؟ اس لئے کہ انما ولیکم میں خطاب مؤمنین کو ہے، تو کیا جمیع مؤمنین ایک دوسرے کے مددگار نہیں ہیں؟ امام فخر الدین رازیؒ نے ''ناصر اور محب'' کا ترجمہ کیا ہے تو کیا جمیع مؤمنین ایکدوسرے سے محبت کرنے والے نہیں ہیں؟ کیا صحابہ ایک دوسرے کی مدد نہیں

کرتے تھے؟ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ (وفات پائے ہوئے) مؤمنین کو دعا کے طور پر مدد کے لئے پکارنا صحیح ہے؟

(۳) اگر سعدی صاحب اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ''اولیاء اللہ'' سے مدد مانگنا صحیح ہے، تو اس سے جہاں دوسری قرآنی آیتوں کو انکار ہو جاتا ہے وہیں ایک بڑا ظلم بھی لازم آتا ہے، اور وہ یہ کہ دیکھئے! اس آیت کے مخاطبین میں پوری امت شامل ہے، صحابہ بھی اور تابعین بھی، تو کیا سعدی صاحب کی عقل یہ باور کرتی ہے کہ صحابہ کرام آپس میں ایکدوسرے سے (بطور دعا) مدد مانگتے تھے۔

اور پھر یہ کہ یہ آیت تو ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہے، خود ہمارے لئے بھی ہے۔ تو آج تو مسلمانوں کی تعداد پوری دنیا میں ایک سو پچیس کروڑ سے زیادہ ہے، تو کیا تمام مؤمنین چونکہ آپس میں ولی ہیں، اس لئے سب سے بطورِ دعا کے مدد مانگنا جائز ہوگا؟! اس کا مطلب تو یہ ہو گیا کہ آدمی بیٹھے بیٹھے دنیا کے کسی بھی جگہ رہنے والے کو مدد کے لئے پکارنا شروع کر دے، (اور پھر سعدی صاحب جیسے افراد تو ہر وقت ہر کسی کی مدد کے لئے تیار ہی بیٹھے رہتے ہوں گے۔)

سعدی صاحب! بعض قوموں کے نزدیک خداؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہے، آپ کے حساب سے تو یہ تعداد ۱۰۰ کروڑ سے بھی آگے بڑھ جائے گی!

(۴) یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ امام رازیؒ نے یہ الفاظ کس پس منظر میں استعمال کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں امام رازیؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ''شیعہ'' حضرات اس آیت کا واحد مصداق حضرت علی کو قرار دیتے ہیں، اور اس آیت سے اپنے مخصوص ''مسئلہ امامت علی'' کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ حضرات اس آیت میں ولی کا ترجمہ

""متصرف"" سے کرتے ہیں۔ امام رازیؒ نے اس پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں ولایت سے ""تصرف"" مراد نہیں ہے، بلکہ نصرت اور محبت مراد ہے اور شیعوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بھی انصاف سے کام لے گا اور تعصب کی عینک کو اتار کر آیت کریمہ کے سیاق وسباق میں غور کرے گا۔۔۔

اب یہ سعدی صاحب ہی کا کارنامہ ہے کہ امام رازیؒ نے جس کلام کو ""شیعہ"" حضرات کے رد کے لئے پیش کیا ہے، اس کو آپ نے ""اہل سنت والجماعت"" کے رد کے لئے غلط طور پر استعمال کر لیا۔

اب ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ خود امام رازیؒ کیا فرماتے ہیں جن کا حوالہ دے کر آپ نے ""مددگار"" کا ترجمہ کیا اور پھر اس سے غلط استدلال کیا۔ امام فخر الدین رازی شافعیؒ کا فرمان سنئے، آپ اللہ تعالیٰ کے قول ""واذا سالك عبادی عنی فانی قریب، اجیب دعوۃ الداع اذا دعان"" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كانه سبحانه وتعالیٰ یقول عبدی انت انما تحتاج إلى الوساطة فی غیر وقت الدعاء، أما فی مقام الدعاء فلاواسطة بینی وبینك فانت العبد المحتاج وأنا الاله الغنی (لوامع البینات شرح اسماء اللہ تعالیٰ والصفات للفخر الرازی ص۵۹-۶۰)

فرماتے ہیں: ""گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے تو واسطوں کا محتاج اس وقت ہے جب دعاء میں مشغول نہ ہو، بہرحال جب تو دعاء کرتا ہے تو تیرے اور میرے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، تو بندہ محتاج ہے اور میں معبود بے نیاز ہوں۔""

امام رازی کی کئی عبارتیں ماقبل میں بھی گزر چکی ہیں۔

★ سعدی صاحب اور ان جیسے حضرات کے ذوق کی تسکین کے لئے قرآنِ کریم کی ایک دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''والذین کفروا أولیاءهم الطاغوت'' یعنی کفار کے اولیاء شیاطین ہیں۔

نیز فرمان ہے: ''إنا جعلنا الشیاطین أولیاء للذین لا یؤمنون'' یعنی ہم نے شیاطین کو ایمان نہ لانے والوں کا ولی بنادیا ہے۔

تو کیا نعوذ باللہ کفار و مشرکین کو یہ کہا جارہا ہے کہ شیاطین سے مدد مانگو، اور ان سے دعا کرو؟ نعوذ بالله من ذلك

علامہ ابن تیمیہؒ اور فقہائے شوافع
(سعدی صاحب کی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش)

ساتویں صدی ہجری کے اواخر اور آٹھویں صدی کے اوائل میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی عبقری شخصیت کسی تعارف و تعریف کی محتاج نہیں ہے، ان کے معاصر اور متأخرین نے ان کے تعلق سے انتہائی بلند توصیفی کلمات کہے ہیں، بعض حضرات نے انہیں نادرۂ روزگار، سرآمد محققین، آخر المجتہدین اور آیۃ من آیات اللہ شمار کیا ہے۔

ابنِ سید الناس شافعیؒ فرماتے ہیں: ان کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان جیسا نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے خود اپنی نظیر دیکھی۔

امام ذہبی نے یہاں تک فرمایا کہ: اگر رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان مجھے قسم دے کر پوچھا جائے تو میں حلفیہ کہوں گا کہ نہ میں نے علم میں ان جیسا دیکھا اور نہ انہوں نے اپنے جیسا دیکھا۔

تاہم! جہاں تاریخِ اسلام کی معتمد و معتبر ترین ہستیوں اور علمائے فن نے ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور ان کے دلوں میں علامہ ابن تیمیہ کے لئے ہمیشہ عظمت و احترام کے جذبات رہے، تو وہیں ایک گروہ آپ کے معاندین و مخالفین کا بھی رہا، جن کی مخالفت کا (دیگر اسباب کے ساتھ) ایک سبب علامہ ابنِ تیمیہؒ کی وہ بعض تحقیقات و ترجیحات تھیں جن میں وہ متفرد اور مذاہبِ مشہورہ اور ائمۂ اربعہ سے بھی بعض اوقات الگ نظر آتے ہیں۔

چنانچہ بعض مخالفین کی مخالفت اور متعصبین کا تعصب بعض اوقات اتنا غلو کر گیا کہ ان کی طرف بہت سی وہ باتیں بھی منسوب کی گئیں جن کی نسبت اصلًا ان کی طرف صحیح نہیں تھی، یہ سلسلہ برابر چلتا رہا، جن سے متاثر ہو کر بعض علماء نے ان کے خلاف قلم اٹھایا اور فتوی دئے ہیں۔

انہی غلط اقوال کی تردید، اور ابنِ تیمیہؒ کی صداقت و عظمت و امامت کے ثبوت میں حافظ شام شمس الدین شافعیؒ (۸۴۲ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''الرد الوافر'' لکھی، جس میں ۸۷ ؍اکابر و مشاہیر علماء کی رائے، تاثرات اور اعترافات اور ابنِ تیمیہؒ کی عظمت و امامت پر ان کی شہادتیں نقل کی ہیں، اس کتاب پر ''حافظ ابن حجر عسقلانیؒ'' نے اپنی بہترین تقریظ بھی لکھی ہے۔

ہمیں علامہ ابنِ تیمیہؒ کی نہ امامت سے بحث ہے، نہ ان کا دفاع مقصود ہے، صرف یہ عرض کرنا ہے مذکورہ رسالہ میں سعدی محترم نے فقہائے شوافع کی تین عبارتیں پیش کر کے جو تاثر دینے کی کوشش کی ہے وہ سیاق وسباق سے قطعی الگ اور غلط ہے۔

موصوف نے اس سلسلہ میں امام سبکیؒ، ابن حجر مکیؒ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا نام پیش کیا ہے، کہ یہ تینوں حضرات ابنِ تیمیہؒ سے بد ظن اور نالاں تھے۔

اب ہم ذیل میں وہ عبارتیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ خود ان حضرات کے نزدیک ابنِ تیمیہؒ کا کیا مقام تھا؟ اور ان حضرات کی طرف جو بات منسوب کی گئی اس کی حقیقت کیا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ خود امام سبکیؒ کے دل میں ابنِ تیمیہؒ کے لئے کیسے احترام کے جذبات موجزن تھے۔

چنانچہ امام ذہبیؒ نے امام سبکیؒ کو علامہ ابنِ تیمیہؒ کی مخالفت پر ایک خط لکھا تھا جس میں اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا، تو جواباً امام سبکیؒ نے امام ذہبیؒ کو جو تحریر ارسال کی وہ قابل مطالعہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

المملوك يتحقق كبير قدره و ذخائر بحره و توسعه
في العلوم الشرعية والعقلية و فرط ذكائه و اجتهاده
و بلوغه في كل ذلك المبلغ الذي لا يتجاوزه الوصف
والمملوك يقول ذلك دائما وقدره في نفسي اعظم من
ذلك وأجل مع ما جمع الله به من الزهادة والورع

الديانة وبصيرة الحق والقيام فيه لا بغرض سواه و
جرير على سنن السلف ، وأخذه من ذلك بالمأخذ
الأوفى وغرابة مثله فى هٰذه الزمان بل من أزمان

فقیر کو اس کا خوب اندازہ ہے کہ ابنِ تیمیہ ایک جلیل القدر عالم، بحرِ ذخار اور علوم شرعیہ و عقلیہ میں متبحر ہیں اس کو ان کی اعلیٰ ذہانت محنت و غور و فکر کا بھی خوب اندازہ ہے، اور معلوم ہے کہ وہ (علمی کمالات) کے ایسے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اس کی تعریف مشکل ہے، فقیر اپنی مجلس میں ہمیشہ اس کا اعتراف اور اظہار کرتا رہتا ہے، اور میرے دل میں ان کی عظمت اس سے بڑھ کر ہے، اور (میں جانتا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ نے انہیں زہد و تقویٰ، دینداری اور بے غرض بن کر حق کا ساتھ دینے اور حق کے لئے کوشش کرنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے، اور اس سلسلہ مین وہ مکمل طور پر سلف کے طریق پر چلتے رہے ہیں، اور ان جیسا آدمی اس زمانے میں تو کیا مدتوں سے پیدا نہیں ہوا۔ (الرد الوافر: ۱/ ۱۰۰)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ بعض مسائل میں علامہ ابنِ تیمیہؒ سے شدید مخالفت کے باوجود خود امام سبکیؒ کے دل میں علامہ ابنِ تیمیہؒ کی کس قدر عظمت و احترام ہے، اور آپ صاف اعلان کر رہے ہیں کہ وہ سلف کے طریق پر چلتے رہے ہیں۔

ابنِ حجر مکیؒ نے یقیناً ابنِ تیمیہؒ کے خلاف سخت فتویٰ دیا، اور ابنِ تیمیہؒ کے لئے ان کی زبان سے سخت جملے نکلے ہیں لیکن!

لیکن اس فتوی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ ابنِ حجر مکیؒ نے ابنِ تیمیہؒ کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، اور ان کی معلومات ذاتی اور براہِ راست نہ تھی، ان کا سارا اعتماد اور فتوی کی بنیاد منقولات و مشہورات پر ہے، جو اس زمانہ میں ان کے مخالفین اپنی کتابوں میں نقل اور اپنی مجلسوں میں ذکر کرتے ہیں، وہ اس فتوی میں شیخ الاسلام کے کلامی و فقہی تفردات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وقال بعضهم ومن نظر إلیٰ کتبه لم ینسب إلیه اکثر هٰذه المسائل"

"بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جس شخص نے ان کی کتابوں کا براہِ راست مطالعہ کیا ہے وہ مذکورہ بالا مسائل میں اکثر کی نسبت اس کی طرف صحیح نہیں مانتا۔" فتوی کے آخر میں اپنا تردد ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:

"فان صح عنه مکفر أو مبتدع یعامله الله تعالیٰ بعدله و إلا یغفر الله لنا وله"

"اگر ان سے کوئی عقیدہ ثابت ہو گیا جو موجب کفر یا بدعت ہے تو اللہ اپنے عدل کے ساتھ ان سے معاملہ کرے ورنہ ہماری اور ان کی بخشش فرمائے۔"

اب حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا معاملہ دیکھئے!

سعدی صاحب لکھتے ہیں:

"ومنهم من ینتسبه الی الزندقة لقوله ﷺ لا یستغاث به ﷺ"

حضور ﷺ سے مدد مانگنے کو ناجائز قرار دینے کی وجہ سے ابنِ تیمیہؒ کو بعض علماء نے بے دینوں میں شامل کیا ہے۔

سعدی صاحب نے اس انداز میں عبارت کا ترجمہ کیا ہے جیسے یہ حافظ ابنِ حجرؒ کا خود کا قول ہو، جبکہ یہ حافظ ابنِ حجرؒ کا قول نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ حافظ ابنِ حجرؒ کی کتاب ''الدرر الکامنۃ'' تاریخ کی کتاب ہے، لہٰذا حافظ صاحب نے اس کتاب میں تاریخی حیثیت سے شخصیات سے متعلق مدح اور ذم ہر طرح کے اقوال کو نقل کیا ہے، اب علامہ ابنِ تیمیہ کے مخالفین میں سے جن حضرات نے آپ کے خلاف اقوال بیان کئے ہیں حافظ صاحب نے ان کو بھی ذکر کیا ہے، یہ نہیں کہ حافظ صاحب ان اقوال سے راضی ہیں، اب یہ کونسا انصاف ہے کہ ان مخالفین کے قول کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ گویا یہ خود حافظ ابنِ حجرؒ کا قول ہو۔

دیکھئے! قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی پاکیزہ شخصیت کے بارے میں کفار کے اعتراضات اور ان لوگوں کے اقوال ذکر کئے ہیں جیسے : ''ویقولون انہ لمجنون'' یعنی کفار کہتے ہیں کہ وہ یعنی آپ ﷺ مجنون ہیں۔

تو اب کیا آپ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ آپ ﷺ کے بارے میں استعمال کئے ہیں۔

نہیں ! بالکل نہیں ! بلکہ یہ تو کفار کا قول ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، بالکل اسی طرح نہ یہ قول حافظ صاحب کا اپنا ہے، نہ حافظ صاحب اس سے راضی ہیں۔

چنانچہ اسی قول کے آگے پیچھے حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے علامہ ابنِ تیمیہؒ کے بارے میں علماء ومشاہیر کے مدحیہ اقوال ذکر کئے ہیں، پتہ نہیں وہ سارے اقوال سعدی صاحب کو

کیوں نظر نہیں آئے، یا پھر بقولِ خود وہ ''تجاہلِ عارفانہ''(یا تعارفِ جاہلانہ) سے کام لے کر آگے بڑھ گئے۔

اب مزید دیکھئے! ہم حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور بخاری شریف کے دوسرے شارح علامہ قسطلانی کو دیکھتے ہیں، اپنی بخاری کی شرح میں بکثرت اقوال علامہ ابنِ تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

اور صرف انہی دونوں کی بات نہیں، دوسرے فقہائے شوافع جیسے: علامہ جلال الدین سیوطیؒ، صاحبِ حاشیۃ البجیرمی وغیرہ بھی علامہ ابنِ تیمیہؒ کے حوالے پیش کرتے ہیں (اگرچہ بہت سے مقامات پر ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔)

کیا یہ محض اس لئے نہیں کہ ان حضرات کے نزدیک علامہ ابنِ تیمیہؒ کا علمی مقام و مرتبہ مسلم ہے،اوران دونوں کے دل میں آپ کے لئے احترام کے جذبات موجزن ہیں۔

اب حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ علامہ ابنِ تیمیہؒ کو کن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''الرد الوافر'' جو علامہ شمس الدین شافعیؒ نے ابنِ تیمیہؒ کے دفاع میں لکھی ہے اس پر تقریظ لکھتے ہوئے حافظ صاحب لکھتے ہیں:

وشهرة امامه الشيخ تقي الدين ابن تيمية أشهر من الشمس وتلقبه ''بشيخ الاسلام'' باق إلى الان على الألسنة الزكية، ويستمر غدًا لما كان بالامس

ولا ينكر ذلك إلا من جهل مقداره وتجتنب الإنصاف

"یعنی شیخ تقی الدین ابنِ تیمیہ کی امامت وجلالت کی شہرت اظہر من الشمس ہے، اور پاکیزہ (اور معتبر) لوگوں نے آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے نوازا ہے، اور آپ کا یہ لقب ان شاء اللہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی باقی رہے گا، (الحمد للہ آج بھی موجود ہے۔) اور اس کا انکار تو وہی کرے گا جو آپ کے مرتبہ سے جاہل ہو اور بے انصاف ہو۔"

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں: "بے شک وہ اپنے زمانے کے "شیخ مشائخ الاسلام" تھے۔"

محترم حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی کن بلند الفاظ میں علامہ ابنِ تیمیہؒ کی تعریف کر رہے ہیں، اور کس طرح ان کے لئے "شیخ الاسلام" کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں، اور مزید یہ بھی دیکھ لیا کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے مخالف کو حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعیؒ نے کن الفاظ والقاب (جاہل اور بے انصاف) سے نوازا ہے۔

اور پھر مزید اسی تقریظ میں حافظ صاحب نے ابنِ تیمیہؒ کی بڑی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ سے علامہ ابنِ تیمیہؒ کے تعلق سے سوال اور حافظ صاحب کا جواب:

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ سے سوال کیا گیا کہ کچھ لوگ علامہ ابنِ تیمیہؒ کو کافر کہتے ہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعیؒ نے جواب دیا: ابنِ تیمیہ کو کافر کہنے والا یا تو خود حقیقی کافر ہو گا، یا پھر ابنِ تیمیہؒ کے حال سے ناواقف ہو گا، ابنِ تیمیہؒ تو کبارِ مسلمین میں سے تھے۔

ان ساری باتوں کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے بہت سے اجتہادات ان کی مخالفت کے سبب بنے ہیں، ان اجتہادات میں وہ کبھی کبھی منفرد بھی نظر آتے ہیں، جس کی طرف خود حافظ صاحب نے اپنی تقریظ اور جواب میں اشارہ کیا ہے، ضروری نہیں کہ ابنِ تیمیہؒ کے دلائل ہر مسئلہ میں قوی اور واجب التسلیم ہی ہوں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے مقصد میں مخلص تھے، وہ نفس پرستی، خواہشات کی پیروی، سہولت پسندی یا کسی مصلحت کی خاطر کسی امام کے مسلک، کسی مذہبِ فقہی، یا جمہور کے قول کو ترک اور کسی مسئلہ کا استنباط نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ طالبِ حق، دلیل کے پابند، اور کتاب و سنت کے متبع تھے، اس بارے میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعی صاحبِ فتح الباری کا یہ ارشاد قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

إنه شيخ المشائخ الاسلام فى عصره بلاريب
والسائل التى انكرت عليه ما كان يقولها بالتشهى
ولا يصر على القول بها إلا بعد قيام الدليل عليه
غالبا فالذى أصاب فيه وهو الأكثر سيستفا منه
ويترحم عليه بسبه والذى أخطأ فيه لا يقلد فيه بل

هو معذور لأن ائمة عصر ه شهد وا له بان ادوات الاجتهاد فيه حتى كان أشد المتعصبين عليه والعاملين فى ايصال الشر اليه وهو الشيخ جمال الدين الزملكانى شهد له بذلك

وہ بلاشبہ اپنے زمانہ کے شیخ المشائخ تھے، جن مسائل میں ان پر اعتراض ہوا ہے وہ بھی انہوں نے نفسانیت کی بنا پر نہیں کئے عموماً جب ان کو اس کی دلیل پر اطمینان ہو جاتا تھا، جب وہ اس پر اصرار کرتے تھے، جن مسائل میں وہ بر سرِ حق تھے اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہیں، اس میں ان سے استفادہ کرنا چاہیے، اور ان کی بناء پر ان کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیئے، جن مسائل میں ان سے غلطی ہوئی ان میں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے، وہ ان میں معذور ہیں، اس لئے کہ ان کے زمانے کے اکابر علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ان میں شرائطِ اجتہاد موجود تھے، یہاں تک کہ ان کے ایک بہت بڑے حریف جو ان کے درپئے آزار بھی رہتے تھے یعنی شیخ جمال الدین الزملکانی وہ بھی اس کے معترف ہیں۔ دیکھئے: الرد الوافر: ۲/۱۳۔۱۶